انسانی زندگی
کی
روحانی تعبیر
مصنف
محمد صدیق ڈار توحیدی رحمۃ اللہ علیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ. اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَولٰينَا مُحَمَّدٍ خَاتَمَ النَّبِيّنَ وَ

رَحۡمَةً اِلّلۡعٰلَمِيۡنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

. وَالسَّلَامُ عَلَيۡنَا وَ عَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصّٰلِحِيۡنَ.

انسانیت کے نام

# انسانی زندگی
# کی روحانی تعبیر

از

محمد صدیق ڈار توحیدی رحمۃاللہ علیہ

ناشر

محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مکتبہ توحیدیہ مرکز تعمیر ملت وحید کالونی

نزد کوٹ شاہاں ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

رابطہ نمبر: 055-3411030 055-3411035

0344-9000042

کتاب......................انسانی زندگی کی روحانی تعبیر

مصنف......................محمد صدیق ڈار توحیدی رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت......................اپریل 2016ء

تعداد...................... 500

قیمت......................250/- روپے

ناشر......................محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

## ملنے کا پتہ

مکتبہ توحیدیہ مرکز تعمیر ملت وحید کالونی

نزد کوٹ شاہاں ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

رابطہ نمبر: 055-3411030 055-3411035

0344-9000042

# پیش لفظ

اللّٰہ تعالٰی نے اپنی مخلوق کی اصلاح اور راہنمائی کے لیے حضرت آدمؑ کے بعد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو اس دنیا میں بھیجا اور جب بھی ایک نبیؑ کے پیروکار دین کی تعلیمات کو بھولے اللّٰہ نے ایک اور نبی کو بھیج دیا اور دنیا کا نظام چلتا رہا۔ہاں سب سے آخر میں جن پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونا تھا، ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے ۔اس طرح انبیاء کا کام ختم ہوگیا اور اللّٰہ نے اپنے دین کی تکمیل کا اعلان فرمادیا، اس لیے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

اللّٰہ علیم وخبیر ہے، وہ جانتا تھا کہ مخلوق میں شیطان بھی شامل ہے، وہ اپنی کارگزاری جاری رکھے گا اور لوگوں کو گمراہ کرتا رہیگا، اس لیے وہ رحیم وکریم اپنی مخلوق کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن میں یہی اعلان فرمادیا کہ امت محمد ﷺ بہترین امت ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران: 110)

ترجمہ: تم (مسلمان) بہترین اُمت ہو، لوگوں کی اصلاح وہدایت کیلئے نکالے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورۃ البقرہ 143)

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں“۔

گویا اس امت پر تا قیامت اچھائی کی تلقین کرنا اور برائیوں سے منع کرنا فرض قرار دیا گیا۔

یہ بھی بتادیا گیا کہ قیامت میں تم لوگوں پر گواہ ہوگے اور اللّٰہ کے رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

اس طرح مصلحین کا دور شروع ہوگیا۔

چنانچہ تبع تابعین کے بعد انسانوں کی رہنمائی کے لیے صوفیائے عظام آتے رہے ،آرہے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو اللہ سے جوڑنے کا کام کر رہے ہیں۔اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے رہبر و مرشد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ جو بیسویں صدی کے اوائل میں تشریف لائے۔آپؒ نے چشمہ تصوف کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر کے خالص قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی سلسلہ تصوف کی بنیاد ڈالی ،جس کا نام سلسلہ عالیہ توحیدیہ رکھا۔اس لیے کہ موجودہ دور میں قرآن سے دوری کی بناء پر سب سے زیادہ متاثر عقیدہ توحید ہی تھا۔سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات نہایت مختصر اذکار،تزکیہ اخلاق اور آسان مجاہدات پر مبنی ہیں ،جس پر ہر شخص بڑی آسانی سے عمل کر کے قلیل وقت میں اعلیٰ روحانی مدارج حاصل کرسکتا ہے اور اللہ کی رویت اور قرب ولقاء حاصل کرسکتا ہے۔

خواجہ صاحبؒ کا انتقال 1977ء میں ہوا اور آپ کے بعد آپ ہی کے نامزد خلیفہ جناب عبدالستار خان صاحبؒ نے سلسلہ کی قیادت سنبھالی۔1990ء میں آپؒ بھی اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے تو سلسلہ کی قیادت کے لیے جناب محمد صدیق ڈارؒ کا انتخاب ہوا۔

آپؒ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے تربیت یافتہ تھے اور جناب عبدالستار خان صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا۔آپؒ نے حلقہ کی قیادت سنبھالی تو حلقہ کو انتظامی و روحانی طور پر ایسی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جیسا کہ بانی سلسلہؒ چاہتے تھے۔1991ء سے 2013ء تک کے عرصہ میں آپکا علمی و روحانی فیض جاری رہا۔اس دوران سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے رہے اور آپ ہر سال اجتماع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ان خطبات میں جہاں بھائیوں کو سلسلہ کی تعلیمات کی مختلف انداز میں یاددہانی کرائی ،وہاں تمام مسلمانوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح راہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین بھی کرتے رہے۔دین کے مختلف پہلوؤں کی قرآن وسنت کی روشنی میں روحانی تعبیرات کیں اور ثابت کیا کہ تصوف کی تعلیمات قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔

جناب محمد صدیق ڈار صاحبؒ نے اپنے سالانہ خطبات کو دو حصوں میں مرتب کیا۔ پہلا حصہ کتاب 'مقصودِ حیات' کے عنوان سے آپؒ کے دس سالانہ خطبات کا مجموعہ ہے جو آپؒ کی زندگی میں شائع ہوا۔ زیرِ نظر کتاب آپؒ کے سالانہ خطبات کا دوسرا حصہ ہے جسے آپؒ نے اپنی زندگی میں ہی مرتب کر کے "انسانی زندگی کی روحانی تعبیر" کا عنوان دیا تھا۔ اس کتاب کا غیر مطبوعہ نسخہ موجود تھا جو آپؒ کے آخری تین سالانہ خطبات کے اضافہ کے ساتھ قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپؒ کی اس کاوش کو اپنی درگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے اور آپؒ کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے اور ہم سب کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

میں ان توحیدی بھائیوں کیلئے بھی دعا گو ہوں، جنہوں نے اس کتاب کو آپ تک پہنچانے کی کوشش میں حصہ لیا بالخصوص اس کتابی نسخہ کی فراہمی میں احمد رضا خان، اشاعت میں خالد محمود بخاری اور شہزاد محمود اور مشاورت میں سید رحمت اللہ شاہ، فہد محمود، اور ماجد محمود کا کردار قابلِ ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں اور سلسلہ کے ہر بھائی کو دنیا و آخرت اور روحانیت کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

**محمد یعقوب توحیدی**

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

۲۹ مارچ ۲۰۱۶ء

# آئینہ ترتیب/فہرست مضامین

# بنیادی سوال

بنی نوع انسان کے لیے سب سے اہم اوربنیادی سوال یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا انسان بھی کرۂ ارض پر بسنے والے دوسرے حیوانوں کی طرح ایک عام سا حیوان ہے یا ان سے منفرد اور مختلف کوئی خاص ہستی ہے؟ اور یہ بھی کہ کیا انسان کی زندگی کی ابتدا رحم مادر ہی سے شروع ہوتی اور موت پر ختم ہوجاتی ہے یا حیات ارضی کا عرصہ انسان کی تربیت اور امتحان کے لیے مخصوص ایک نہایت ہی مختصری مدت ہے؟ جب تک اس سوال کا درست اور مفصل جواب تلاش نہ کیا جائے، یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ مجموعی طور پر کس قسم کا نظام حیات بنی نوع انسان کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے گا۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اربوں سال پہلے جب یہ زمین وجود میں آئی تو اس پر سب سے پہلے زندگی کا آغاز نباتات کی صورت میں ہوا اس کے بعد بالترتیب سمندری حیوانات، خشکی پر رینگنے والے جانور، چوپائے اور پرندے وجود میں آئے اور سب سے آخر میں انسانی زندگی کا آغاز ہوا۔ حیات کے اس ارتقائی سفر کا مطالعہ کریں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ سورج، ہوا، پانی اور مٹی کے عناصر کے تعاون سے نباتاتی زندگی وجود میں آئی۔ گویا نباتات کی پیدائش اور پرورش کے لیے جمادات نے بنیاد فراہم کی۔

اس سے اگلے مرحلے میں حیوانات کا ظہور ہوا تو انہوں نے اپنی غذا نباتات سے حاصل کی۔سب سے بعد ظہور میں آنے والا حضرت انسان زمین سے اگنے والے پتوں،پھلوں، غلوں اور سبزیوں کے علاوہ حیوانات کو بھی اپنی غذا اور دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور ساتھ ہی سورج ، ہوا ،پانی اور مٹی سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ زندگی کے مراحل کی اس ترتیب سے حیاتیاتی طور پر انسان کی نمایاں اور برتر حیثیت کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک اور حقیقت بھی قابل غور ہے کہ زمین وفضا اور خلا میں بے شمار طاقتیں اور لاتعداد چیزیں انسانی زندگی کی بقا اور ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔انسان ان سب سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے مختلف فائدے اٹھا رہا ہے لیکن ان کی زندگی میں انسان کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے چنانچہ ہم اس حقیقت کے قائل ہیں کہ سورج،چاند،زمین،آسمان،ہوا،پانی،آگ، مٹی ،درخت،جنگل، پہاڑ، کیڑے مکوڑے،چرند، پرند سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔اس طرح برقی قوت،مقناطیسی قوت،کاسمک شعائیں ،ریڈیائی لہریں اور کشش ثقل کے علاوہ ان گنت مخفی قوتیں جو ابھی تک ہمارے احاطہ علم میں نہیں آسکیں۔انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اگر چند ایک چیزیں مفقود ہو جائیں تو انسانی زندگی تعطل ،جمود اور انحطاط کا شکار ہو کر رہ جائے بلکہ ممکن ہے سرے سے انسانی وجود ہی باقی نہ رہے۔اس کے برعکس اگر انسان اس دنیا میں نہ ہوں تو باقی ہر شے اپنی جگہ برقرار رہے گی اور ان کی حیات یا وظیفہ عمل میں قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔کائنات کے ساتھ انسان کا یہ تعلق بھی ثابت کرتا ہے کہ کائنات تو انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے لیکن انسان کی تخلیق اس مادی دنیا

کے لیے نہیں بلکہ اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقصد کے لیے کی گئی ہے بقول علامہ محمد اقبالؒ:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
مقام پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیر گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

اس کے علاوہ زندگی کے ارتقاء کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جس حیات نے جمادات سے جنم لیا اور پیچیدہ اور حیوانی مراحل طے کرتی ہوئی کروڑہا سالوں میں انسانی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ اسے زمان و مکان کی حدود سے گزر کر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حیات ارضی کے بعد اس سے بھی اعلیٰ اور برتر زندگی کا وجود ارتقاء حیات کا منطقی نتیجہ ہوگا۔ ان دلائل کے علاوہ انسان کا وجدان بھی اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے اور اس کے باطن کی گہرائیوں میں یہ سرگوشیاں ہوتی رہتی ہیں کہ مجھے مٹ جانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ موت کی کٹھن منزل سے گزر کر بھی میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور زندہ رہوں گا اور اس دنیا میں جو ظالم اور بدکردار لوگ عیش و عشرت کرتے رہے اور دنیوی عدالتوں کی سزاؤں سے بچ گئے اور پاک اور نیک انسان سختیاں جھیلتے رہے، ان کے ساتھ دوسری دنیا میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔

# عقل کی حدود

انسان نے اپنی سہولت کے لیے سینکڑوں قسم کی مشینیں ایجاد کر رکھی ہیں ان سے صحیح طور پر کام لینے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں جان کاری حاصل کی جائے۔ اسی لیے ہر مشین کے طریقہ استعمال اور اس کی مناسب دیکھ بھال کی تعلیم دینے کے لے اس کا ڈیزائنر اور بنانے والا ادارہ خریداروں کو مشین کے ساتھ ایک کتابچہ ہدایات بھی مہیا کرتا ہے۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو مشین کی کارکردگی عمدہ اور عمر طویل ہوگی بصورت دیگر لاپرواہی کے نتیجہ میں اس میں لاتعداد نقائص پیدا ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مشین اپنی تخلیق کے مقاصد ادا کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔ آخر کار اسے ایک بیکار چیز سمجھ کر کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جائے گا یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی چیز کو اس کے خالق سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا اس لئے بہترین نتائج اسی صورت میں حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ جب اس کے خالق کی دی ہوئی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ جس طرح کوئی مشین یا حیوان اپنی بہتری یا بھلائی کیلیے کتاب ہدایت خود مرتب نہیں کر سکتا اسی طرح انسان بھی ایک جامع اور بے خطا آئین مرتب کرنے سے قاصر ہے جو اسے حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔ کیوں کہ جب تک انسان کی شخصیت اور اس کی زندگی کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھا جائے، اس کے برے بھلے کا فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن انسان کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا یعنی عرفان نفس حاصل کرنا ایک کار دشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق انسان کو زمین پر پیدا ہوئے

تقریباً دس لاکھ برس ہو چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں وہ اپنی عقل کے بل بوتے پر مادی اشیاء کو بھی مکمل طور پر سمجھ نہیں پایا تو نفس، قلب اور روح کی نزاکتوں اور روحانی عوالم کی لطافتوں کو بھلا کیونکر جان سکتا ہے۔ زندگی بذات خود ایک ایسا راز ہے کہ موجودہ سائنس اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اس کی دریافت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکی۔ پاکستان کے ایک عظیم مفکر علامہ عنایت اللہ خان مشرقی نے دنیا بھر کے سائنسدانوں کے نام اپنے ایک مراسلہ بعنوان 'انسانی مسئلہ' میں تحریر فرمایا:

''ہمارا علمِ کیمیا صرف بے جان مادّے کا علم ہے۔ اس نے چند عمدہ اور مفید مرکبات یا تجریدی معجزے تیار کیے ہیں لیکن زندگی کے مسئلہ کا حل ان دریافتوں سے نہیں ہو سکا۔ سائنسدان شرم کا مارا روزِ اول سے ہی سٹپٹا رہا ہے جب وہ مکمل سکتے میں ایک انڈے کو دیکھتا ہے کہ خود بخود پھٹ کر چوزہ بن چکا ہے۔ اس انڈے کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہا ہے وہ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کی توجیہہ سمجھنے سے قاصر ہے یا جب ایک چھوٹا سا بیج خود بخود ایک درخت بنتا جاتا ہے اور اس کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہتا ہے اس کی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی حتیٰ کہ وہ اس تقاضے کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا جو بیج کو درخت بنا رہا ہے زندگی کے اندر خود بخود اکساہٹ کیوں ہے یہ ایک حواس باختہ کر دینے والا مسئلہ ہمیشہ سے رہا ہے حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ زندگی ضرور ابتدائی طور پر بے جان مادے ہی سے پیدا ہوئی ہوگی۔ یہ درمیانی کڑی جب مل گئی اور اس کی خاطر خواہ توجیہہ بھی مل گئی تو یہ انکشاف شاید صحیح علم کا پہلا طلوع ہوگا جب کہ انسان کی بنائی ہوئی جیومیٹری اور ریاضی اور کیمیا سب کے سب ماضی کے کھلونے بن جائیں گے اور انسان کی فطرت کی زبان میں اور فطرت کی اکائیوں میں سمجھ آنے لگے گی۔ یہ ایک انتہائی طور پر حیرت انگیز بات ہے کہ انسان جو بذات خود زندگی کی اکساہٹ بدرجہ کمال رکھتا ہے اس اکساہٹ کی توجیہہ بھی نہیں کر سکتا بلکہ اس کو محسوس بھی نہیں کر سکتا جو اس کے جسم کے بالوں کو خود بخود بڑھاتی رہتی ہے۔

جواس کے اپنے جسم کے زخموں کوخود بخود مندمل کر دیتی ہے، جواس کے معدے میں خوراک کوخود بخود ہضم کر دیتی ہے، جواس کے کانوں سے سننے، آنکھوں سے دیکھنے اور ذہن سے سوچنے کا کام لیتی ہے اگر بے جان مادے کے ارتقاء سے یہ خاصیتیں کسی جادو کے زور سے پیدا ہوتی ہیں تو یقیناً وہ طلسم ہمیں ان کیمیائی فارمولوں سے نہیں مل سکتا جو ہم نے معلوم کر کے عمدہ طور پر ترتیب دے رکھے ہیں بلکہ وہ ہمیں اس روشنی کے عمل سے روز بروز زیادہ واقفیت حاصل کرنے سے ملے گا۔ جوایک بجھی ہوئی موم بتی کو یکدم جلا دیتی ہے اور اس ذرا سی چھوت سے بتی کو جلائے رکھتی ہے"۔

"نــــور" ہمیں انسانی ذہن اور شعور کی فطرت کے طریقہ عمل کے متعلق انتہائی طور پر جانکاہ دروں رسی کے بعد ہی مل سکے گا اور وہ بھی اس وقت کہ زندگی کے عظیم الشان راز میں مسلسل غور وفکر کے بعد کوئی نیا طریقہ تلاش مل جائے جو موجودہ طریقوں سے مختلف ہو۔ زندگی کا مسئلہ دراصل فطرت کے اس راز کو دریافت کرنے کا مسئلہ ہے جو انڈے کو آنے والے چوزے کی اکائی انسان کے نطفے کو آنے والے بچہ کی اکائی اور بیج کو آنے والے درخت کی اکائی بنا دیتا ہے"۔ انسان اپنی اس بے بسی اور کوتاہ علمی کے باوجود ہر دور میں اپنی عقل کو کامل سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے جس طرح اپنے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر عمر میں اپنی رائے کو ہی درست جانتے ہیں خواہ وہ سو فیصد غلط کیوں نہ ہوں بلکہ بسا اوقات تو مضر اور مہلک چیزوں کے حصول کے لیے ضد کرتے ہیں۔ انسان کے اندر کارفرما روح کی حقیقت جاننا تو بہت دُور کی بات ہے انسان تو یہ جاننے سے بھی قاصر ہے کہ رحم مادر کے اندر اس کی ظاہری شکل و ہیئت اور جسم کے اندرونی اعضاء کو بہترین صورت دینے میں کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک ہی والدین کی اولاد میں شکل و شباہت، عادات، خصائل اور ذہنی رجحانات کا فرق کیوں ہوتا ہے؟ انسان ہنستا، روتا اور سوتا کیوں ہے؟ انسان کے ظاہری اعضاء کو دماغ کنٹرول کرتا ہے لیکن دماغ پر کون سی چیز



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

حکمرانی کرتی ہے اور وہ مادّی ہے یا غیر مادّی؟ خیال، ارادہ، احساس، جذبات، حزن، مسرت اور محبت کی کیا حقیقت ہے؟ انسان سوتے میں خواب کیوں دیکھتا ہے اور ان میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کس طرح نظر آجاتے ہیں؟ جو لوگ مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں ان کے علوم کی بنیاد کیا ہے؟ کسی واقعہ یا حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کے بارے میں علم ہو جانا کیونکر ممکن ہے؟ الغرض انسانی جسم و جان کے اندر پوشیدہ اور اردگرد کی کائنات میں پھیلی ہوئی ان گنت گتھیاں ایسی ہیں جو انسان ابھی تک سلجھا نہیں سکا۔ بایں ہمہ اگر پھر بھی انسان یہ سمجھے کہ میں اپنے برے بھلے کو خوب جانتا اور اپنے لیے خود ہی بہترین آئین حیات تجویز کر سکتا ہوں تو یہ اس کی کج بحثی، کم فہمی اور عاقبت نا اندیشی ہے۔ انسان کو کامیاب اور پر امن زندگی گزارنے کیلئے جس راہنمائی اور روشنی کی ضرورت ہے وہ انسانوں اور تمام جہانوں کا خالق اور ربّ ہی عطا کر سکتا ہے۔ انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ دنیا کی جن اقوام نے فیضانِ سماوی سے منہ موڑ کر عقل بے مایہ کی راہنمائی میں اپنے لیے آئین سازی کی، انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں کیونکہ انسانی عقل کی اپنی حدود و قیود ہیں۔ جو عقل مادّی کائنات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی وہ مادّے سے ماوراء انسانی حقیقت کی راہنمائی اور امامت کے فرائض کیوں کر انجام دے سکتی ہے انسان کی محدود سوچ اور ناقص عقل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

"عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

عقل کے پیش کردہ نظریات کی ناپائیداری کی کیفیت یہ ہے کہ ہر دور کا انسان اپنے

آباؤ اجداد کے معاشی، معاشرتی اور سائنسی خیالات کو دوراز کار اور فرسودہ قرار دے کر ردّ کرتا رہا ہے گویا کہ انسانی عقل اپنے ہی قائم کردہ گزشتہ نظریات کو غلط ثابت کر کے اپنی ناپختگی اور کم مائیگی کا ثبوت فراہم کرتی رہتی ہے اور اپنی متلون سوچ کی وجہ سے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتی چلی جاتی ہے۔ عقل ہی کو سب کچھ سمجھنے والے یورپی عمائدین اور سائنسی عقائد کے اماموں مثلاً ''ڈاروِن، فرائڈ اور مارکس وغیرہ نے انسانی نفس کی گھٹیا اور حیوانی جبلتوں کے علم کو ہی علم کل سمجھ کر انسان کو حیوان محض اور سفلی خواہشات، جنسیت اور ہوا و ہوس کا مستقل غلام قرار دے دیا ہے۔ اس تباہ کن سوچ نے مذہب سے آزاد مادہ پرستوں کو کام و دہن اور جنسی لذتوں کا والہ و شیدا بنا دیا اور وہ مذہب کی پاکیزہ اور اعلیٰ قدروں سے دستبردار ہو کر حیوانیت کی سطح پر گر گئے۔ تہذیب و تمدن کے قائم کردہ قدیم ادارے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔

شادی بیاہ کو ایک فضول رسم قرار دے کر خاندانی زندگی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ حدود و قیود سے عاری اور بے لگام آزادی کی لہر نے حیوان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ مردوں کی مردوں سے اور عورتوں کی عورتوں سے شادی کو جائز قرار دے دیا۔ بے روک ٹوک جنسی تعلقات، اسقاطِ حمل، ناجائز بچوں، منشیات کے کھلے استعمال اور ہر قسم کے عقیدے کی آزادی، یہاں تک کہ شیطان کی پوجا کرنے والوں کے چرچ کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی۔ بے راہ روی کے اس طوفان کے ہولناک نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں پھر بھی مادہ پرست انسان ترقی پسندی کے شوق میں ذلت اور گناہ کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب نے اگر وحی الٰہی، آخرت پر ایمان اور روحانیت کا دامن نہ تھاما تو اس کا انجام یقینی تباہی ہوگا۔ صرف عقل کے بل بوتے پر آگے بڑھنے والے موجودہ دور کے انسان کی حالت زار بیان کرتے ہوئے ضربِ کلیم میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

عشق ناپید و خردمی گردش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

# تخلیقِ آدم

انسان کی حقیقت اور اس کی غرض و غایت جاننے کے لیے خالق کائنات کی راہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالٰی کی نازل کی ہوئی کتابوں میں سے صرف ایک ہی کتاب اپنی اوّلین زبان اور ہر قسم کی تحریف سے پاک اصلی متن کے ساتھ موجود ہے اور وہ قرآن کریم ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالٰی کی آخری کتاب ہے اور اللہ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی کتابوں کے بارے میں ایسا دعویٰ کر ہی نہیں سکتے۔خالق کائنات نے اپنی حکمت بھری کتاب میں انسان کی تخلیق کے بارے میں جو راہنمائی فرمائی ہے اس کی روشنی میں ہم شروع کتاب میں اٹھائے گئے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جدوجہد کریں گے۔کتاب مقدس کی ایک مختصر سی آیت مبارکہ نے ایک عظیم حقیقت کو اس طرح اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہو ذاریات کی آیت نمبر ٥٦ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:٥٦)

”اور ہم نے جن اور انسان اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری بندگی کریں“۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالٰی ہی کی عبادت کرے۔عبادت سے مراد صرف

ارکان اسلام کی ظاہری پابندی ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ ان پر عمل کرنا تو بندگی کے اقرار اور اللہ سے اپنی محبت کے عملی اظہار کی ایک صورت ہے۔ یہ شریعت کا مقرر کردہ کم از کم معیار ہے اور اس کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے۔ ان کی ادائیگی سے ایک مسلمان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معمول کا تعلق قائم رہتا ہے۔ عبادت کا وسیع تر مفہوم تو بھرپور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہے۔ یہ یاد رہے کہ عبد کے معنی غلام کے ہیں اور عملی زندگی میں ایک غلام کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی، وہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب آقا کی رضا کے حصول کے لیے قربان کر دیتا ہے۔ جو اپنے مالک کا سچا بندہ بن جائے وہ اپنی مرضی کا غلام رہ ہی نہیں سکتا اور وہ سب کچھ کسی جبر کے تحت نہیں کرتا بلکہ برضا و رغبت اپنا مال و جان اپنے محبوب مالک کے قدموں پر نچھاور کر کے اس کی رضا اور اس کا قرب و دیدار حاصل کر لیتا ہے اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں نقل کیا گیا ہے کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا۔"

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کا انکشاف ہے کہ ہر شے اپنی پیدائش کی مناسبت سے ذی شعور ہے۔ اپنے خالق کو پہچانتی اور اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کے احکام کی کامل اطاعت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق سے بہتر صلاحیتوں اور برتر شعور سے مشرف فرمایا تاکہ یہ سب سے زیادہ اپنے خالق کی معرفت اور قرب حاصل کر کے اپنے ربّ کی بہترین نعمتوں اور انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ یہ خصوصی نوازش اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے اور اس کی بے پایاں محبت کا مظہر ہے کہ اسے اپنے قرب اور دیدار جیسی عظیم نعمت کے لیے منتخب فرمالیا۔ اس طرح یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آگئی کہ انسان کی زندگی کا مقصود

اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے ایک ہی شعر میں اس راز کو افشا کرتے ہوئے فرمایا:

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رستن از بندِ جہات است

یعنی انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ اپنے ربّ کی کامل بندگی کے ذریعے وہ مقام حاصل کر لے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی رضا کے حصول کی راہ میں اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے ،جس طرح ایک ذہین وفطین بچے کو اپنی عبقریت کے اظہار کے لیے کسی مناسب تعلیمی اور تجرباتی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح انسان کی تسخیر وتعمیر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر مقصودِ حیات تک پہنچنے کے لیے بھی ایک خصوصی اور اس کے شایانِ شان تربیت گاہ کی ضرورت تھی اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی زمین کو اپنی لاتعداد آیات سے مزین کر کے ایک وسیع وعریض تربیت گاہ کے طور پر تیار کر رکھا تھا۔

قرآن کریم میں تمام انسانوں کے جدِامجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکمرانی اور اپنے قرب ودیدار کی نعمت عطا کرنے کے لیے انسان کا انتخاب فرمایا اور اسے فرشتوں اور جنات پر فضیلت عطا فرمائی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر چیزوں کے نام سکھا دیئے۔گویا تمام علوم کی روح اور چیزوں کی تسخیر کرنے کا ولولہ انکے اندر پھونک دیا۔ملائکہ پر انسان کی فضیلت اور برتری کے عملی اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں

فرشتوں کے روبرو پیش کر کے ان کے نام دریافت فرمائے تو فرشتوں نے اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دینے سے معذرت کر لی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو انسان کے استحقاق کے خلاف فرشتوں نے جو اعتراض اٹھایا تھا وہ رفع ہو گیا۔ اس پر اللہ قادر مطلق نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔

بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے جو جانبداری برتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سب چیزوں کے نام سکھا دیے اور فرشتوں کو نہ سکھائے۔ ایسی سوچ کم فہمی پر مبنی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو رحمٰن و رحیم ہیں اور عادل ہیں وہ ہرگز ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ منفی اور سلبی صفات منسوب کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ جس شے میں جس قدر خلقی طور پر ہمہ دانی اور ہمہ گیری کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ کہ ایک فرشتہ تمام چیزوں کے نام جان سکے یا مختلف النوع کا کام انجام دے سکے۔ ہر فرشتہ کو جو وظیفہ حیات عطا ہوتا ہے وہ اسی تک محدود رہتا ہے۔ اسی لیے صور پھونکنے، وحی لانے، جان قبض کرنے، بادلوں کو ہانکنے، بچوں کو چشکانے، نامہ اعمال لکھنے اور دوسرے بے شمار اعمال ادا کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ فرشتے تعینات ہیں۔ آدم علیہ السلام کو حیّ و قیوم کے احسن تقویم یعنی دوسری مخلوق سے بہتر صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا تھا اور صرف وہی علم الاسماء کا حامل ہونے کی اہلیت سے بہرہ ور تھا۔ اس علمی امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی اولاد پہلے زمین پر آباد تھی۔ وہ جنات میں سے تھا اور خود بھی

دل میں خلافت کی خواہش چھپائے ہوئے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں کون سا امر تجھے مانع ہوا۔ ابلیس نے جواب دیا کہ آدم سے بہتر اور برتر ہوں۔ اس کی تخلیق تو حقیر اور بدبودار مٹی سے کی گئی ہے۔ اور مجھے آپ نے مٹی سے بہتر اور لطیف شے آگ سے پیدا فرمایا۔ آپ نے اسے مجھ پر فضیلت بخش کر خلافت ارضی عطا کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی حیثیت میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ میری درخواست قبول فرمالیں تو میں یہ ثابت کر دوں گا۔ آپ روز قیامت تک کے لیے مجھے زندگی کی مہلت عطا فرمادیں تو میں اس کی اولاد کو آپ کی محبت و اطاعت کے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دوں گا اور آپ دیکھیں گے تھوڑے سے لوگ ہی شکر و رضا کے شیوہ پر قائم رہ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی گزارش قبول فرمائی۔ اور اس طرح ابلیس نسل انسانی کے دشمن کی حیثیت سے کھلم کھلا میدان میں اتر آیا۔ وہ اپنی ذریت، لاؤ لشکر، مکر وفریب اور تمام تر تخریبی حربوں سے لیس انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹانے اور قرب و دیدار سے محروم رکھنے کے لیے اس پر آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے حملے کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی شریک حیات حوا علیہا السلام کو کچھ عرصہ کے لئے جنت میں ٹھہرانے کا انتظام فرمایا تا کہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو کر دنیا میں جائیں۔ جنت میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولت دستیاب تھی سوائے ایک خاص درخت جس کے قریب آنے سے اللہ علیم وخبیر نے انہیں منع کر دیا تھا۔ ابلیس نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُکسانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔ اس نے شجر ممنوعہ کے فوائد بڑے دل کش انداز اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انہیں مستقبل کے بڑے سہانے خواب دکھائے۔

اس کے ساتھ ہی قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین بھی دلاتا رہا اور آخر کار انہیں فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس درخت کا پھل چکھتے ہی ان کی کیفیت بدل گئی۔ ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں اور وہ شرم ساری سے بچنے کے لیے جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس پر وہ دونوں بہت ہی پچھتائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بڑے ہی خشوع و خضوع سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے چند دعائیہ کلمات سیکھ کر ان کے ذریعے مغفرت طلب کی اور رحم کی بھیک مانگی تو اللہ رحیم و کریم نے ان کی معذرت قبول فرما کر انہیں معاف فرما دیا۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ انسان کو ازلی اور پیدائشی گناہ گار سمجھنے کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ انہیں زمین کی خلافت دی جائے اس لیے انسان کو اس مادّی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی صلاحیتوں کے اظہار، خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ انسان کو خاکی وجود کے ساتھ اس جہان آب و گل میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ سماعت بصارت اور دل و دماغ کا صحیح استعمال کر کے روح کی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لائے اور اس مادی عالم کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگانے کے ساتھ ساتھ معرفت نفس اور عرفان الٰہی کے بلند ترین مقام تک پہنچ جائے۔

# شیطان کے نقوش پا

شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور جس انداز فکر اور طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ اسے مردود قرار دے کر قرب الٰہی کے مقام سے ہٹا دیا گیا۔ انسان کی زندگی کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ وہ دوسری تمام مخلوق سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کرے۔ اب یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ جس سوچ اور رویے کی بنا پر ایک مقرب بارگاہ کو دائمی ملعون بنا دیا گیا اسی طرح کا روّیہ اختیار کرنے والا انسان کیونکر قرب خداوندی حاصل کرسکتا ہے۔ قرب و دیدار کی عظیم دولت اور اعلیٰ ترین نعمت تو ان متقین سابقین کے حصہ میں آئے گی جو شیطان کی روش سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام یعنی اللہ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقوش پا پر مت چلو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی پوری زندگی کے ہر ہر شعبہ پر اللہ کی حکمرانی تسلیم کرلو۔ اگر تم دائرہ اسلام سے باہر نکلنے کی غلطی کروگے تو گمراہ ہوجاؤ گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر والے دائرہ اسلام کو ایک قلعہ سے تشبیہہ دیتے ہوئے ایک مثال بیان فرمائی کہ کوئی شخص ہو جس کے دشمن اس کا پیچھا کر رہے ہوں اور وہ ان سے جان بچانے کے لیے بھاگ رہا ہو۔ اچانک اس کے سامنے ایک قلعہ آجائے اور وہ اس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے اور اس کا دشمن ناکام و نامراد ہو جائے۔ وہ دشمن شیطان اور اس کا گروہ ہے اور وہ محفوظ قلعہ اللہ کا ذکر ہے۔ گویا اسلام ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو مومن کو شیطانی حملوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم کے توسط سے اللہ تعالیٰ اولادِ آدم کو بار بار تاکید فرماتے ہیں کہ شیطان کی بندگی سے بچو، اس کے ساتھ دوستی مت لگاؤ اور اس کا اتباع ہرگز نہ کرو ورنہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کسی عام انسان کی نہ تو کبھی شیطان سے ملاقات ہوئی ہے کہ اس کا دوست بن جائے، نہ ہی وہ کسی شیطانی معبد میں جا کر اس کے بت کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اور نہ ہی وہ شیطان سے منسوب کسی کتاب میں دی گئی ہدایات پر چلتا ہے۔ اس لیے شیطان کے نقوش پا کی واضح نشاندہی نہایت ہی ضروری ہے کیوں کہ انسانوں کی کثیر تعداد ارادی یا غیر ارادی طور پر اللہ کی محبت و اطاعت کے صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ان ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہے جو شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے بنا رکھے ہیں۔ انسان جب اپنے خالق کے آئین کو نظر انداز کر دیتا ہے تو شیاطین کا اس کے نفس کے ساتھ رابطہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا یہی ہے کہ میں اپنی مرضی کے مطابق چل رہا ہوں لیکن یہ اس کی غلط فہمی اور نفس کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جن خیالات کو وہ اپنے اندر سے ابھرتا ہوا محسوس کر کے ضمیر کی آواز کا نام دیتا ہے وہ حقیقت میں اس کے نفس کے اندر ڈالے گئے شیطانی خطرات و وساوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میں تو صاف صاف بتا دیا گیا ہے

کہ جوانسان اللہ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اس پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴾ (الزخرف:۳۶)

''اور جو اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''

ابلیس کے نقوش پا اللہ کے سیدھے راستہ میں چھپائی گئی بارودی سرنگوں کی مانند ہیں کہ جس نے بھی ان پر قدم رکھا وہ برباد ہو گیا۔شیطان کی خطرناک اور ایمان لیوا چالوں سے ہم اللہ قوی وعزیز کی پناہ مانگتے ہیں اور ان کی نشاندہی کے لیے اس کی مدد طلب کرتے ہوئے اس کی پاک کتاب قرآن مجید فرقان حمید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔کتاب مقدس میں شیطان کا ذکر سب سے پہلے عالم ارواح میں ہونے والے اس واقعہ کے بعد سامنے آتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔سب نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری تسلیم کرنے اور اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔قرآن کریم کے شروع ہی میں آتا ہے:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (البقرہ:۳۴)

**ترجمہ**:''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب خلافت ارضی کا منصب حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرما دیا تو اس پر شیطان نے جو ردعمل ظاہر کیا قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ان کا بغور مطالعہ کرنے سے جو نکتے واضح ہوتے ہیں ان کو ہم علیحدہ علیحدہ ترتیب سے بیان کریں گے تا کہ

یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ ابلیس کا ہر نقش قدم گمراہی کا منبع اور فساد کی جڑ ہے۔

(۱) ابلیس نے بغاوت کی ابتدا کرتے ہوئے سب سے پہلا قدم جو اٹھایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس واضح حکم کی بلاچون و چرا اطاعت ہونی چاہیے تھی۔ اس سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہمیں بھی محتاط رہنا چاہیے کہ اللہ کے دیئے ہوئے کسی بھی حکم کی ہم سے خلاف ورزی سرزد نہ ہونے پائے ورنہ ابلیس کی طرح ہم بھی اللہ سے دور ہوتے جائیں گے۔

(۲) اوپر دی گئی آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اس نے انکار کیا اور غرور و تکبر میں آ کر کافر بن گیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اگر چہ ابلیس نے معروف ارکان ایمان یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور یوم آخرت میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا تھا پھر بھی اسے کافر قرار دیا گیا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے واضح دو ٹوک اور بار بار تاکید کیے گئے احکام کی تعمیل سے غافل ہو چکے ہیں، ان کے لیے یہ واقعہ ایک انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی وہ کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہو جانا لیکن اس پر شرمساری کا اظہار کرنا ایک علیحدہ معاملہ ہے لیکن اللہ رب العالمین کے مقرر کردہ فرائض کی فرضیت کو تسلیم نہ کرنا یا فرض مانتے ہوئے بھی تکبر کی وجہ سے ان کی ادائیگی سے انکار کر دینا انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا تو اس کا جواب یہ تھا:

﴿قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (الحجر:۳۳)

**ترجمہ:** "ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں اس بشر کو جس کو آپ نے کھنکھناتے سڑے ہوئے

گارے سے پیدا کیا سجدہ کروں"۔

ابلیس نے تکبر کی وجہ سے مٹی گارے کو ادنیٰ جانا۔ کسی بھی مخلوق کو حقیر جاننا اور اس پر اعتراض کرنا اس کے خالق پر اعتراض کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ظاہر پرستی کا مظاہرہ کیا کیوں کہ اس نے نہ تو مٹی کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں اور برکتوں پر غور کیا اور نہ اس باطنی فضیلت اور استعداد کا عرفان حاصل کر سکا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس اندازِ فکر نے انسانوں میں بھی جوہرِ قابل کی بے قدری اور مردم شناسی کو فروغ دیا ہے۔ زبانی دعوؤں، جسمانی رعب داب، ظاہری شان وشوکت اور ٹیپ ٹاپ کو ہی عزت وعظمت کا معیار سمجھ کر کردار و شرافت اور زہد وتقویٰ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے عنانِ اقتدار نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلتا ہے۔

(۴) ایک دوسرے مقام پر اسی واقعہ کو ذرا مختلف انداز سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (الاعراف:۱۲)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیا تو پھر کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔"

اس آیت کے پہلے حصے میں ہی ایک اصولی سبق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود کوئی حکم فرمادیں تو اس کی تعمیل کی راہ میں کسی بھی چیز کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔ بندے کا کام ہی یہ ہے کہ اپنے آقا کے حکم کو ذوق ومحبت کے ساتھ فوری طور پر بجالائے اور اللہ کے حکم کی بجا آوری کی راہ میں حائل ہونے والی تاویلوں کو اپنے نزدیک بھی پھٹکنے نہ دے۔

(۵) آگ اور مٹی دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر قسم کی فضیلت اور خیر وخوبی اسی کے

ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے جتنی اور جیسی چاہے عطا فرما دے۔ ابلیس نے اپنے زعم میں خود ہی آگ کو بہتر جان کر پیدائشی فضیلت کا راگ الاپا اور رنگ و نسل کی بنیاد پر افتراق پیدا کرنے کی بنیاد ڈالی۔ ابلیس کے بوئے ہوئے اس شجر خبیثہ کی وجہ سے انسانیت جو ایک کنبہ کی طرح ہونی چاہیے تھی، رنگ، نسل، زبان اور وطن کے بتوں کی پرستش کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے ناطے سے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے کی بجائے باہم دست بگریبان ہے۔ اس فتنہ امن سوز نے انسانی تاریخ کو ظلم و ستم کی ان گنت داستانوں اور خوں ریز جنگوں سے داغدار کر رکھا ہے۔

(۶) ہر مخلوق کا وجود اور اس کے اندر موجود ہر خیر و خوبی اس کے خالق کی مرہون منت ہوتی ہے اس لیے کسی بھی مخلوق کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو ذاتی جان کر عجب و غرور میں مبتلا ہو جائے۔ اوپر دی گئی آیت مبارکہ میں ابلیس اس حقیقت کو تسلیم بھی کر رہا ہے کہ مجھے آپ ہی نے آگ سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کو آپ نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ ان الفاظ ہی سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ اس کا آگ سے پیدا کیا جانا کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ محض اللہ کی مرضی پر منحصر تھا لیکن ابلیس کا اس امر کو اللہ کی قدرت اور کمال ماننے کی بجائے اپنی ذاتی خوبی سمجھ لینا ہی کفر کا ارتکاب تھا۔ انسان کو بھی چاہیے کہ اپنی تمام تر اہلیتوں اور صلاحیتوں کو بڑی عاجزی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی عطا سمجھے اور کبھی غرور میں مبتلا نہ ہو۔ دنیوی زندگی میں جو عزت، دولت اور مقام و مرتبہ ملے، اسے بھی اللہ رحمٰن و رحیم کی عطا تصور کرے۔ اللہ کے احسانات اور اس کی بے شمار نعمتوں کے لیے اس کی حمد و ثنا کرتا رہے اور انہیں اپنے لیے امتحان اور آزمائش جانے۔ اسلام کی تعلیم کا یہ نہایت اہم پہلو ہے کہ انسان اپنے آپ کو مال و دولت کا مالک نہیں بلکہ امین جانے اور اللہ کی ہدایت کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

اپنی جان اور مال کا مالک اللہ کو تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور انہیں ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنی من مانی کرنا کفر کی راہ اور دنیا میں فساد کا باعث ہے۔

(۷) ابلیس نے اللہ کی حکم عدولی کی تو ایک ادنیٰ مخلوق کی حیثیت سے اس کے لیے مناسب روّیہ یہ تھا کہ اپنے کیے پر نادم ہو کر اللہ رحیم وکریم سے مغفرت طلب کرتا لیکن اس نے توبہ کرنے کی بجائے اپنے غلط اقدام کے حق میں منطقی دلائل دینے شروع کر دیے جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ہمیشہ کے لیے اس پر لعنت مسلط کر دی۔ اس کے برعکس جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام سے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لینے کی خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر کے اللہ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس لیے اولادِ آدمؑ کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ ابلیس کا اتباع کرتے ہوئے اپنے گناہوں کے جواز میں بہانے اور دلیلیں پیش کر کے اللہ کی رحمت سے دور نہ جا پڑیں بلکہ اپنے باپ کی راہ میں چلتے ہوئے اپنے گناہوں پر صدقِ دل سے توبہ کر کے معافی مانگ لیا کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے اور غلطیوں ،خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔

(۸) ابلیس نے اپنے آپ کو نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ملائکہ کی جماعت سے بھی بہتر اور افضل گمان کیا۔ اس کی سوچ اگر اس طرح کی نہ ہوتی تو وہ فرشتوں کا ساتھ دیتے ہوئے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا حالانکہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اور ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ خود بینی کی دلدل میں ایسا پھنسا کہ نور اور نار کے فرق کو بھی بھول گیا۔ ذاتی فضیلت کا بھوت اس پر اس طرح سوار رہا کہ فرشتوں کی مقدس جماعت پر نا اتفاقی اور نا فرمانی کا داغ لگا کر ان سے علیحدہ ہو گیا۔ انسانوں میں بھی ہیچو ما دیگرے نیست کے جنون میں مبتلا ہو کر اپنے ہی توہمات میں گرفتار ہو کر رہ جانے والے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک پر اپنی

فضیلت اور بزرگی کا رعب جھاڑتے اور اپنے ہر کام اور کلام کے لیے داد کے طالب ہوتے ہیں۔ کسی امیر کے ماتحت ہو کر کام کرنا یا کسی تنظیم کے قواعد و ضوابط کا پابند ہو کر رہنا ان کی آزاد طبیعت پر بہت گراں گزرتا ہے وہ ہر جگہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر رہنا پسند کرتے ہیں اور بدنظمی کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے دست شفقت کے سائے سے جو کہ جماعت پر ہوتا ہے، محروم رہ جاتے ہیں۔

(۹) شیطان نے اللہ احکم الحاکمین کی نافرمانی کر کے لعنت کا طوق گلے میں پہن لیا۔ خود وہ گمراہ اور مردود ہوا ہی تھا لیکن اس پر بس نہیں کی بلکہ 'ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے' والی روش کا انتخاب کیا اور اولاد آدم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹانے کے لیے سرگرم عمل ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اس منفی اور تخریبی مشن کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے طویل مہلت طلب کر لی۔ ابلیس کے ڈالے ہوئے وساوس کے زیر اثر بعض انسان بھی اسی روش پر چل نکلتے ہیں۔ جب ان کے اپنے قلبی اور روحانی امراض حد سے بڑھ جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے خالق و مالک ربّ کی طرف رجوع کریں وہ اپنے باطل عقائد پر اڑ جاتے ہیں اور اس طرز زندگی کو اپنی انا اور غیرت کا مسئلہ بنا کر اسی کے مبلغ بن کر دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ پوری کی پوری قومیں جس تہذیب و تمدن کی وجہ سے خود غرق ہو رہی ہوتی ہیں، وہ ہزار جتن کر کے دوسروں کو بھی یہی زہر کھلانا چاہتی ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شے کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اس لیے تمام مخلوق کا حقیقی مالک اور معبود اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں بار بار یہ حکم آتا ہے کہ اے لوگو اپنے ربّ کی بندگی کرو، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے کیوں کہ مخلوق کے لیے یہی روا ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم پر اپنا سر بلا چون و چرا خم کر دے۔ ابلیس نے اس روش کو چھوڑ کر آزادی افکار کی راہ اپنائی۔

اس نے اپنے خالق کے عشق کا دامن چھوڑ کر عقل وخرد کو اپنا امام بنالیا تو راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی ناقص رائے کو اوّلیت دے کر تکبر کا ارتکاب کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لیکن اس کا ایک متعین مقام اور محدود میدان ہے اور اسے اس کے اندر اور وحی الٰہی کے تحت رہ کر کام کرنا ہی زیب دیتا ہے۔ انسان کیا ہے اسے کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا، یہ کہاں سے آتا ہے اور مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے اس قسم کے سوالات کا جواب دینا عقل کے دائرہ کار میں نہیں ہے، اس لیے کامیابی اور فلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسان ابلیس کی طرح بغاوت کی دلدل میں نہ پھنسے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رحمت بھرے آئین پر حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں سے عمل کرے۔ اس کے بغیر زندگی کے کسی بھی شعبہ میں حسن و توازن پیدا نہیں ہوسکتا۔ عقل وخرد تو اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ابھی تک مادی اشیاء کی حقیقت تک نہیں پہنچ پائی، اس سے مادہ سے ماورا حقیقتوں کا جواب طلب کرنا عبث ہے۔ فیضان سماوی کو نظر انداز کر کے عقل نارسا کو اپنا رہنما بنانے والی قوم کا انجام کار ضلالت کے اندھیروں میں گم ہو کر اللہ کے غیض وغضب کی سزاوار ٹھہرے گی کیوں کہ یہ ابلیس کی سجھائی ہوئی راہ ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

# حیات ارضی کی اہمیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کے اندر اپنی روح کا فیض نفخ فرما کر اسے تمام مخلوقات سے منفرد اعزاز عطا فرمایا۔ اس سے انسان میں تمام علوم سیکھنے، روحانی اور مادی عوالم کو تسخیر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور دیدار حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کی آیت ۳۱ میں کرتے ہوئے فرمایا: ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا'' یہ بات تو ہمارے علم میں ہے کہ چیزوں کے نام ان کی ظاہری ہیئت، باطنی صلاحیت اور کارکردگی کی مناسبت ہی سے رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً چھوٹی چیزوں کو دیکھنے والی خوردبین، بارش ناپنے والے آلے کو مقیاس المطر، دو پہیوں والی سواری کو بائیسکل اور تین پہیوں والی کو ٹرائی سائیکل اور ہوا میں اڑنے والی چیز کو ہوائی جہاز کا نام دیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نام کسی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں اور یہ کام کوئی عالم فاضل اور رواقف کار ہی کر سکتا ہے قرآن کریم کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح اور علم الاسماء کا ارتقا ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی یہ خصوصی صلاحیت انسان کے اندر اس طرح پوشیدہ تھی جس طرح ایک ننھے بیج کے اندر ایک تناور درخت بننے کی صلاحیت چھپی ہوئی ہوتی ہے اس بیج کے اندر درخت کے پتوں اور ٹہنیوں کی شکل و شباہت، پھولوں کا رنگ اور خوشبو، پھل کا رنگ اور ذائقہ، درخت کی اونچائی، موٹائی اور پھیلاؤ الغرض ہر پہلو سے اس کا مکمل خلاصہ اور پورا خاکہ سمویا ہوا اور سویا ہوا موجود ہوتا ہے۔ اس پوشیدہ نقشے اور خوابیدہ صلاحیت کے اظہار کے لئے ازبس ضروری ہوتا ہے کہ بیج کو

خاص موسم اور مناسب مٹی میں بو کر اس کی آبیاری کی جائے پھر اس سے پیدا ہونے والے پودے کی مختلف بیماریوں، مخالف موسمی اثرات اور نقصان دہ حیوانات سے حفاظت کی جائے تا کہ بیج کے اندر جو جوہر چھپا ہوا تھا وہ بتدریج ایک مکمل درخت کی صورت اختیار کر کے بار آور ہو جائے۔ اسی طرح اللہ کی عطا کی ہوئی جو صلاحیتیں انسانی روح کے اندر چھپی ہوئی ہیں ان کا اظہار بھی اس عالم خاک میں آئے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حیات ارضی انسانی روح کے امکانات کو حقیقت کا روپ دھارنے میں مدد دیتی ہے حکیم الامت یعنی علامہ اقبالؒ نے دنیا کی زندگی کو صدف یعنی سیپی کی مانند قرار دیا ہے۔ ایک خاص موسم جس میں وہ خصوصی بارش جسے ابر نیساں کہتے ہیں، برستی ہے تو سطح سمندر پر تیرتی ہوئی کھلے منہ والی سیپیوں میں اس کے قطرے داخل ہو جاتے ہیں۔ جونہی کسی سیپی میں قطرہ نیساں داخل ہوتا ہے اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور وہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ جاتی ہے وہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد وہ پانی کا قطرہ چمکتے دمکتے موتی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اسی طرح انسانی روح قطرۂ نیساں کی طرح عالم روحانی سے عالم مادی میں نزول کرتی ہے اور ایک خاص مدت یعنی مقررہ عرصہ حیات کے لئے صدف ارضی میں بند کر دی جاتی ہے۔ جس طرح قطرہ آب صدف کے قید خانہ میں رہ کر آبدار موتی بنتا ہے اور قدر و قیمت پاتا ہے اسی طرح انسانی روح اللہ تعالیٰ کے حضور اسی صورت میں انعام و اکرام کی مستحق ٹھہر سکتی ہے جب وہ اس قید حیات کے دوران اپنے مالک کے دیئے ہوئے آئین کی پابند رہ کر اپنے جوہر کمال تک پہنچائے اور اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت ارضی کے منصب کے شایان شان مطلوبہ اہلیت عطا فرما دی تھی انسان کی تخلیق سے پہلے کائنات اپنے تمام تر حسن اور رنگینیوں کے ساتھ موجود تھی لیکن کوئی ایسی ہستی موجود نہ تھی جو اس سے لطف اندوز ہو کر اس کے بنانے والے کی حمد و ثنا کرتی، کوئی اہل دل اور صاحب نظر موجود نہ تھا کہ کائنات کا حسن اس کے حساس دل کو مہمیز لگا کر محبت کی شاہراہ پر



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

تیز گام کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس تربیت گاہ میں بھیجا اور یہ حقیقت واضح الفاظ میں گوش گزار کردی کہ جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے" اس زمین اور عرش بریں کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب تمہاری خدمت، سہولت، تربیت کے لئے بنایا گیا ہے۔ خلافت ارضی کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر چیز کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کر کے فطرت کی طاقتوں پر حکمرانی کرے اسے عقل، نفس، حواس خمسہ، متوازن جسم اور مناسب اعضا کے خادموں کا ذاتی دستہ بھی مہیا کیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو اپنا راہنما بنا کر ان سے صحیح کام لے کر اپنی خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کر سکے۔ انسان کے اندر وہ مرکزی جوہر ہے جو اس کے قوائے باطنی اور حواس ظاہری کو استعمال کر کے فطرت کی پوشیدہ طاقتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت سے مشرف ہے، اسے علامہ اقبالؒ خودی کا نام دیتے ہیں اس کی لاہوتی پرواز اور طاقت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی محبت اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ہے۔ یہ باطل خداؤں کو کاٹ رکھ دینے والی ایسی تلوار ہے جس کی دھار کو آب، کلمہ طیبہ سے ملتی ہے۔ اس جوہر کی حقیقت مادی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اسی لئے اس کے امکانات محدود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے اس لئے اس نے اپنی اہلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کی ہر چیز کو مناسب نام دیا۔ ذرا چشم تصور سے تخلیق آدم سے پہلے کا منظر دیکھئے۔ زمین کا میدان اور آسمان کا سائبان ان گنت اور انواع و اقسام کی مخلوقات سے سجا کھڑا تھا لیکن ہر چیز اپنی شناخت سے محروم اور بے نام تھی کسی جاندار اور بے جان شے کو نہ ہی خود اپنا نام معلوم تھا نہ کوئی دوسرا انہیں ان کے نام سے پکارنے والا موجود تھا۔ حضرت انسان اسماء کا علم لے کر آئے تو آتے ہی کروڑوں بلکہ اربوں چیزوں کے نام رکھے گویا ہر شے کو اس کا تشخص انسان کے توسط سے ملا اور یہ کام برابر جاری ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے علم و تجربہ میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہر شے کی حقیقت اور کنہ معلوم کرنے کی دھن اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور

وہ نسل در نسل متواتر کوشش کرتا ہوا خوب سے خوب تر کی تلاش میں نئی نئی ایجادات کرتا اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔اسی میں انسان کی روح کی ترقی اوراللہ کی معرفت کے حصول کا راز پوشیدہ ہے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ہر مومن کے لئے ازحد ضروری ہے کہ اس کارگاہ حیات میں کسی نہ کسی میدان میں کوئی تخلیقی کارنامہ انجام دے کر اس مقدس مشن میں انسانیت کا ہاتھ بٹائے۔ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال نہ کرنے کا مجرم قرار پائے گا اور قیامت کے روز اپنے حواس قویٰ کو استعمال نہ کرنے کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ مومن خسارے میں ہے جس کے دو دن یکساں حالت میں گزریں۔مومن کی تو ہر آن نئی شان ہونی چاہیے اللہ کے عشق میں یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے اگر مومن اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور جاگتے سوتے میں ہر وقت اللہ کو یاد رکھے انسان سے فرشتوں، حیوانات، نباتات اور اجرام فلکی جیسی اطاعت مطلوب نہیں ہے۔اسے تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اس لئے کیا کہ یہ اللہ کو اپنا معبود اور محبوب تسلیم کر لے اور اسے اپنی محبت کا مرکز بنا کر صرف اس کا بندہ بن کر رہ جائے۔انسان سے جس عبادت کی توقع کی جاتی ہے وہ معرفت اور محبت سے بھرپور والہانہ اطاعت کا نام ہے یہ بات کسی بھی دوسری مخلوق میں دکھائی نہیں دیتی اگرچہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا اور اس کے احکام کا اس طرح پابند ہے کہ اس کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا لیکن انسان کے علاوہ تمام مخلوقات جمالیاتی حس سے محروم اور جذبہ عشق و محبت سے خالی ہیں۔ان کی اطاعت ان غلاموں کی سی ہے جن کی آنکھیں اپنے آقا کے حسن جہاں آرا کو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔ان کے پہلو میں وہ دل ہی نہیں ہیں جو محبوب حقیقی کے جمال پر نچھاور ہو سکیں۔اللہ کی محبت کی دولت بے بہا اور گراں بار امانت حضرت انسان کیلئے ہی مقدر ہو چکی تھی اور حیات ارضی کے اس جذبہ عشق کی پرورش اور ذوق محبت کی تربیت کے سامان مہیا کرنے والی ایک عظیم اور وسیع تربیت گاہ ہے۔

# محبت کی امانت (رموز محبت)

محبت کا جذبہ ہی تخلیق عالم کا اصل سبب ہے اور اس کی اعلیٰ ترین صورت انسان ہے انسانی روح وجود میں آنے کے ساتھ ہی اپنے ربّ سے محبت کرتی ہے۔ بلکہ اس ابتدائی حالت میں محبت اور عبودیت کے سوا کوئی دوسری صفت اس میں پائی ہی نہیں جاتی۔ البتہ دوسری صفات کو اپنے اندر جذب کرنے کی اہلیت موجود ہوتی ہے۔ عالم بالا میں انسانی روح سے لیا جانے والا میثاق اَلَست محبت کا عہد و پیمان ہی تو تھا تاکہ انسان دنیا میں جا کر محبت اور عبودیت کے جوہر کو ضائع نہ کر دے۔ اس وقت محبت کا یہ جوہر ابتدائی کیفیت میں تھا اور اس کی تکمیل زمینی زندگی کے دوران معرفت کا طویل اور کٹھن سفر طے کرنے کے بعد ہونا تھی۔ جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ وَفِي الْاَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

"اور زمین میں اہل یقین کے لیے میری نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ہو۔"

روحانی عالم میں انسانی روح کی اللہ کے ساتھ محبت کی مثال ایک ننھے منے بچے کے پیار کی سی ہے جو وہ اپنے باپ سے کرتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لپٹ کر سکون و قرار محسوس کرتا ہے۔ بچے کی یہ محبت بالکل معصوم اور خام ہوتی ہے۔ کیوں کہ چھوٹی عمر میں وہ اپنے باپ کے روحانی، ذہنی، علمی، معاشی اور معاشرتی رتبہ سے قطعاً واقف نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا باپ دنیا کا ایک مانا ہوا عالم، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان یا روحانی رہنما ہو لیکن ان حقائق

کا ادراک تو اسے عمر اور تجربے کی پختگی کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی بچہ اپنے باپ کی شخصیت اور اس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہوگا اور اس کی حقیقی عظمت کا معترف ہو سکے گا۔ بچہ جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قوی اگرچہ صحیح سالم ہوتے ہیں لیکن وہ پیدا ہوتے ہی ان سب سے پوری طرح کام نہیں لے سکتا۔ ہاتھ پاؤں سے کام لینے کے لیے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے پھر اس کا ذہنی اور علمی سفر الف بے سے شروع ہو کر قدم قدم آگے بڑھتا ہے اور پھر وہ پیچیدہ علوم اور دقیق حقائق سمجھنے اور پیشہ وارانہ مہارت حاصل کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔

انسان کی روحانی قوتیں اور باطنی لطائف بھی اسی طرح بتدریج ترقی کرتے ہیں اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب میں آگے بڑھتا جاتا ہے اور اس کی ذات کا دیدار بھی حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی زندگی کے دوران ہمہ جہتی جدوجہد کرنے ہی سے اللہ کی عطا کردہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ جو انسان ایمان کی بدولت اپنی سمت درست کر لیتا ہے وہ اس زمین کی اوپن یونیورسٹی کی رنگین فضا اور دلکش ماحول سے دل لگانے اور یہاں کی مادی لذتوں میں کھو جانے کی بجائے اپنی زندگی کے حقیقی مقصود یعنی قرب رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے انسان بجا طور پر ہر چیز کی حقیقت معلوم کر کے اسے اپنی خدمت میں لگانے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔

جب انسان کرہ ارض میں جلوہ افروز نہیں ہوا تھا تو زمین کی رنگین بہاریں کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتی تھیں۔ پھولوں کے رنگوں اور ان کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے والا کوئی نہ تھا خوشبو فضاؤں میں بکھر کر پریشان ہوتی اور پتیاں بکھر کر خاک میں ملتی رہیں۔ نہ کوئی پھول اپنے حسن اور مہک سے آشنا تھا اور نہ ہی وہ پودا جس پر کھلتا تھا، اس کی نزاکت سے باخبر تھا۔

ہزاروں ذائقہ دار اور خوش نما رنگوں والے پھل زمین پر بکھر کر ضائع ہوتے رہے لیکن ان کی خوبیوں کی قدر دانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ الغرض حسن کے جلوے سے نیلگوں جھیلوں، فلک بوس پہاڑوں، خوش الحان و خوبصورت پرندوں، خوبصورت چرندوں، اُمڈتی گھٹاؤں، عطر بیز ہواؤں، سحر انگیز آبشاروں، ٹمٹماتے ستاروں، نور برساتی کہکشاؤں اور وسیع و عریض فضاؤں کی صورت میں چار سو پھیلے ہوئے تھے لیکن کوئی اہل نظر انہیں محبت کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا۔ اللہ کے جمال کے پرتو پر فدا ہو جانے والا کوئی صاحب دل موجود نہ تھا۔ فطرت کی قوتیں صدیوں سے منتظر تھیں کہ کوئی آ کر ان پر حکمرانی کرے۔ حسن کی یہ بے قدری اس لیے کہ ابھی عشق وجود میں نہیں آیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور اسے حقیقت بین آنکھیں، سرمدی نغموں سے آشنا کان، حقیقت کے متجسس دماغ اور حسن کا دیوانہ دل عطا فرمایا تا کہ وہ دنیا میں صفات کے پردوں میں چھپی ہوئی اللہ کی آیات کو پہچان کر آگے بڑھتا ہوا قرب کے اس مقام تک پہنچ جائے جہاں فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ پیام مشرق میں ''میلادِ آدم'' کے ذکر میں انسان کی شان میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور — خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

خبرے رفت زگردوں بہ شبستان ازل — حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

آرزو بے خبر از خویش با غوش حیات — چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر — تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

''یعنی عشق نے نعرہ لگایا کہ خونیں جگر پیدا ہو۔ حسن کا جسم شوق سے کانپ اٹھا کہ صاحب نظر پیدا ہو۔ فطرت تڑپ اٹھی کہ اس مجبور جہاں کی مٹی سے خود کو بنانے والا خود بگاڑنے والا

اور خود اپنے اندر دیکھنے والا پیدا ہو۔ آسمان سے شبستان ازل تک یہ خبر پھیل گئی کہ پردوں میں چھپنے والو ہوشیار رہو کہ پردہ در پیدا ہوا۔ آرزو اپنے آپ سے بے خبر زندگی کی گود میں سو رہی تھی اس نے آنکھ کھولی ایک نیا جہاں پیدا ہوا۔ زندگی نے کہا کہ میں ایک عمر خاک میں تڑپی ہوں تب کہیں جا کر اسے پرانے گنبد یعنی آسمان میں در پیدا ہوا ہے۔"

اللہ تعالٰی نے پوری کائنات میں بنی آدم کو جو مقام عطا فرمایا ہے اس کی ذمہ داریاں نباہنے کے لیے ہمیں اجتماعی طور پر سوچنا چاہیے کہ کیا انسان کو تعمیر و تسخیر کی یہ کونا کوں صلاحیتیں محض اس لیے عطا کی گئی ہیں کہ یہ بھی دوسرے حیوانوں کی طرح کھائے پیئے، گھر بسائے، بچے جنے اور مر جائے؟ کیا اسے جسمانی طاقت بڑھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے جب کہ انسان سے کئی گنا طاقتور حیوان پہلے سے ہی موجود تھے؟ کیا اسے سمندروں میں تیرنے اور غوطہ زن ہونے کے لیے بنایا حالانکہ یہ اہلیت سمندری مخلوق میں بدرجہ اتم موجود تھی کیا اس سے ہوا میں اڑنے کا کام لینا مطلوب تھا جب کہ مکھیاں، مچھر اور پرندے یہ کارنامہ بخوبی سرانجام دے رہے تھے۔ یقیناً ان سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ اسی انداز میں مزید آگے سوچیں تو اس نتیجے میں پہنچیں گے کہ انسان کو تسبیحات و مناجات کے لیے پیدا نہیں کیا گیا کیوں کہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ سے ثابت ہے کہ زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے ہمہ وقت اللہ کی تسبیح کرنے میں مشغول ہے۔ انسان کو اپنے سامنے سربسجود ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا کیوں کہ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جڑی بوٹیاں، پودے، درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں قرآن کریم میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ (النور: ۴۱)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں

اور پرندے پر پھیلائے ہوئے بھی سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔"

ان آیات مقدسہ سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ان امور سے یقیناً اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن تقویم سے خلق فرما کر مسجود ملائکہ کا جو عظیم شرف عطا فرمایا تو اس کے ذمے لگایا جانے والا کوئی بھی کام اشرف ہی ہونا چاہیے کوئی ایسا کام جسے دوسری مخلوق انجام دے ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے برتر شعور کی بنا پر اپنے ارادے اور اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کی محبت کی امانت کو سنبھالنا تھا۔ یہی وہ گراں بار اور جرأت آزما ذمہ داری تھی جسے کوئی بھی اُٹھانے کو تیار نہ تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (اَلْاَحْزَاب آیات: ۷۲-۷۳)

"ہم نے بار امانت زمین، آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھالیا، بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا تا کہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور مہربانی کرے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر، اللہ تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

غور وفکر کرنے سے یہی بات کھلتی ہے کہ محبت کے سوا اس کی کوئی دوسری تعبیر مناسب معلوم نہیں ہوتی اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اوامر و نواہی کی پابندی کو بار امانت تصور کیا جائے تو اس سے کائنات کی کوئی چیز خالی نہیں ہے کیوں کہ قرآن کریم کے مطابق ہر شے خوشی سے فرماں برداری کر رہی ہے اس کے علاوہ مندرجہ بالا آیات میں جو انکار کیا اور ڈر گئے؛ کے الفاظ آئے ہیں

ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس امانت کے اٹھانے میں کسی بھاری آزمائش کا خطرہ تھا جس سے سب ڈر گئے۔ لیکن اس مشت خاک نے خطرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انجام سے بے پروا ہو کر سب اٹھا لیا کیونکہ اسے پیدا ہی اس امانت کے لیے کیا گیا تھا۔ شعور اور اختیار کی دولت سے جنس محبت کا خریدار بننے پر ہی انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ محبت کی یہ دولت بے بہا اللہ ربّ العالمین کی امانت ہے۔ جو انسان عہدِ الست پر پورا اترے اور محبت کی امانت کا حق ادا کرے وہی صادق و امین کہلوانے کا حق رکھتا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ حضور ﷺ اعلان نبوت سے پہلے ہی ان دو معزز ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ جن انسانوں نے اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرنے کے بعد دل میں کسی دوسرے کا پیار بسا لیا وہ منافق ٹھہریں گے اور جنہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی محبت میں شریک بنا لیا وہ مشرک قرار دیے جائیں گے۔ انسان کی اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی کہ وہ اس عظیم دولت کے مصرف ہی کو نہ سمجھ سکے۔ اور یہ دل جو اللہ کا گھر ہے اس میں کسی دوسرے کو بسا لے یا پھر اللہ تعالیٰ کی بے مثل ذات سے تعلق رکھنے کے باوجود غیر اللہ سے اُمیدیں وابستہ رکھے اور ان سے بھی اللہ جیسی محبت کرے۔ یہ بات شرک کہلاتی ہے اور قرآن مجید میں شرک کو بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔ انسان کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ جہالت دور کر کے محبت کے تقاضوں کو سمجھے اور اسے غلط مقام پر خرچ کر کے مشرک اور ظالم نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ ایمان کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے شدید محبت کرتے ہیں۔"

اس آیت مبارک میں ایمان والوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں ۔ اخلاص کے اس اعلیٰ مقام کے حصول کے لئے انسان کو اپنے نفس کے خلاف سخت جہاد کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اسے اپنے دل کی خلوت گاہ پر خود احتسابی کا کڑا پہرہ لگانا پڑتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی غیر کا اس میں داخلہ نہ ہونے پائے ۔ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب و معبود کی رضا پر قربان کیے بغیر اس کے قرب کی دولت نصیب نہیں ہوتی ۔ علامہ اقبال بندہ مومن کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی محبت کے لیے کیا ہے اس لیے اللہ کے دین کا پورا نظام اللہ کی محبت کے گرد ہی گھومتا ہے ۔ اسلام میں زبانی ، بدنی اور مالی عبادات اور معاشرتی معاملات اللہ کی محبت کے سائے میں ہی پیدا کیے جاتے ہیں ۔ اللہ کی ساری مخلوق کی خدمت بھی اللہ کی محبت کی خاطر ہی کی جاتی ہے ۔ اللہ کے رسول ﷺ دنیا میں دین حق لے کر آئے جس میں ہر سو اللہ کی محبت اور اطاعت کا غلبہ دکھائی دیتا ہے ، امت مسلمہ بھی اللہ کی طرف سے اس امر کی پابند ہے کہ دنیا سے کفر و شرک ظلم و استحصال کے نظام کو ختم کر کے وحدت الوہیت و وحدت انسانیت کے حامل آئین کا نفاذ کرے ۔ الغرض یہ اللہ کا ہی عشق ہے جو انسان کو حقیقی راہنمائی عطا کرتا ہے اور وہ نور مہیا کرتا ہے ، جس کی روشنی میں اس کی روحانی ، ذہنی اور جسمانی جدوجہد درست سمت میں آگے بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ بقول حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمت اللہ علیہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

اللہ کے عشق کی فرماں روائی دیکھنے کے لیے ہم ارکان اسلام کا جائزہ پیش کرتے ہیں سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ طیبہ پڑھنا پڑتا ہے جو کہ اللہ کی محبت کے ازلی عہدالست کی تجدید ہے اس کے بعد ایک مومن کی محبت اور اطاعت کا مرکز اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بن جاتے ہیں ۔ ان کے احکام کے مقابلے میں وہ اپنی خواہشات اور رجحانات سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوٹوک لفظوں میں فرمادیا ہے کہ '' ہم نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں''۔(توبہ:۱۱)

اس رضا کارانہ خودسپردگی کے معاہدہ کے بعد مومن کی پوری زندگی آئین خداوندی کی پابند ہو جاتی ہے ۔ اس پابندی کی ہی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا کی زندگی کو مومن کے لیے قید خانہ کی مانند قرار دیا ہے ۔ یہ پابند زندگی مومن کو غیر اللہ اور نفس کی غلامی سے بچا کر حقیقی آزادی سے روشناس کراتی ہے کیونکہ من مرضی کرنے اور نفس کی غلامی والی آزادی آخر کار بربادی کا سبب بنتی ہے ،اللہ کی اطاعت یعنی اسلام میں داخل ہونے والوں پر کچھ اعمال کا بجالانا فرض قرار دیا گیا ہے ۔ انہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے ۔ ان ارکان کی پابندی اس لیے لازمی ہے کیوں کہ ان سے اللہ کی محبت اور آخرت کی حقیقی زندگی کو ترجیح دیئے رکھنے اور اللہ کے قرب کی راہ میں بڑھتے چلے جانے میں مدد ملتی ہے ۔ سب سے پہلے اہم ترین اور ہر روز ادا کی جانے والی عبادت نماز پر غور کیجیے ۔

نماز بندہ مومن کو دن میں پانچ مرتبہ اپنے گھر بار، کاروبار ، اہل بچوں ، نرم وگرم بستر اور میٹھی نیند ترک کر کے اللہ کی محبت کو ترجیح دینے کی مشق کراتی ہے ، مومن اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی عبدیت اور اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے اور زندگی کے مقصود کے حصول کے لیے اللہ سے مدد طلب کرتا ہے تا کہ وہ بھی انعام پانے والوں میں داخل ہو جائے ، اس لئے نماز کو مومن کی پہچان قرب و محبت کے لیے معراج اور اللہ کی رضا کے مقام یعنی جنت کی کنجی فرمایا گیا ہے ۔

روزہ اللہ تعالٰی کی محبت کی خاطر کھانا پینا چھوڑ دینے اور اللہ کی نا پسندیدہ نفسانی خواہشات کوترک کر دینے کی جدو جہد کا سالانہ کورس ہے۔حضورﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔مومن جب اللہ تعالٰی کی مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی جائز اور حلال کمائی میں سے زکوٰۃ وصدقات ادا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالٰی کی محبت کے مقابلے میں مال ودولت کی محبت کو پامال کر دیتا ہے۔اسلام کا عالمگیر رکن حج تو اللہ تعالٰی کی محبت کا ایک عظیم اور اجتماعی مظہر ہے،جس میں کرہ ارض کے کونے کونے سے اللہ کی محبت کے دیوانے اپنا سب کچھ چھوڑ کر،لباس سمیت تمام معمولات زندگی ترک کر کے فقیرانہ وضع قطع والا احرام پہن کر بیت اللہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔وہ اللہ کی محبت سے سرشار اس کے گھر کا پروانہ وار طواف کرتے اور قلبی جذبات کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں: ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم تیرے لیے حاضر ہیں،ہم حاضر ہیں کہ تیری محبت میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہم سب کچھ چھوڑ کر حاضر ہیں ۔حمد وثنا تیرے لیے ہے۔نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی تیرے لیے ہے کوئی تیرا شریک نہیں۔

اسلام میں ان تمام اعمال کی بنیاد انسان کی نیت پر رکھی جاتی ہے ان فرض عبادات کی قبولیت اور ان کے اجر وثواب کا انحصار خلوص نیت پر ہے یعنی اعمال کی روح ،اخلاص یعنی اللہ کا پیار ہے ۔ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر بھی ہوسکتا ہے لیکن جو نمازیں اللہ کی محبت سے خالی صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے ادا کی جارہی ہوں،ان کے بارے میں قرآن کا فیصلہ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾

ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں اس طرح وہ روزہ جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے رکھا جائے اللہ کی محبت کے سبب اتنا اعلیٰ وارفع عمل بن جاتا ہے کہ اللہ بذات خود اس کے اجر کا تعین فرماتا ہے ۔یہی روزہ جب اس جذبہ سے خالی ہو تو اسے

روزہ دار کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور اسے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ صدقات وخیرات سے اگر رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو تو وہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:
**لَاتُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی :** یعنی اپنے صدقات کو مساکین پر احسان جتلا کر اور انہیں ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اگر میرا کوئی صحابی ایک مدّ یعنی چند کلو جو کے دانے صدقے میں دے اور کوئی غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو اللہ کے ہاں اس ایک مدّ جو کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ اس عظیم فرق کی صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے اور ان کے صدقہ کیے جانے والے جو کہ ایک ایک دانے پر اللہ کی محبت کی مہر ثبت تھی اور کوئی غیر صحابی، صحابہ کرامؓ کے بے مثال خلوص کے اعلیٰ اعزاز میں جو انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے عطاء ہوا تھا، شریک نہیں ہو سکتا۔ تمام اعمال کا ایک ظاہری ڈھانچہ بھی ہوتا ہے لیکن ان سب کی روح اللہ کی محبت ہے اور اس جذبہ کے مطابق ہی اعمال کی قدر و قیمت معیّن ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں قربانی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے پاس نہ تو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون، لیکن تمہارے دل میں جو تقویٰ ہے وہ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں پر نہیں بلکہ ہمارے دلوں پر نظر رکھتے ہیں، اس کے ہاں کمیت کی بجائے کیفیت کو نوازا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال اگر اللہ کی محبت سے بھرپور ہوں تو نورٌعلیٰ نور ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بڑے بڑے اعمال سے اگر ریا، نمائش اور شہرت مطلوب ہو تو وہ کارنامے مردود و مغضوب ہو جاتے ہیں۔

شوق تر اگر نہ ہو میری نماز کا امام ۔۔۔ میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

انسان اگر اپنی زندگی کے مقصد کو فراموش کر دے تو اس کی محبت کا مرکز اللہ کی بجائے مال اور اولاد بن جاتے ہیں ۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان دو نعمتوں کے بارے میں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا۔﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾
"بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔"

اس کائنات، حیات ارضی اور انسان سے متعلقہ حقائق کو تسلیم کر لینا ہی ایمان کی روح ہے جس انسان کے دل میں ایمان داخل ہو جاتا ہے وہ دنیا کی زوال پذیر اور عارضی نعمتوں سے پیار کر ہی نہیں سکتا۔ محبت کے لیے اس کی نگاہ انتخاب اللہ کے سوا کسی اور طرف اٹھ ہی نہیں سکتی کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر نعمت اور خیر و برکت صرف اسی کے دست قدرت میں ہے ۔اس دنیا میں آنے سے پہلے، ماں کے پیٹ میں اور اس کی زندگی میں ہر جگہ اور ہر لحظہ صرف اللہ کی ذات ہی انسان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ اور آخرت میں بھی صرف اللہ ہی اس کے کام آئے گا۔اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان نہ تو کبھی اپنے محبوب کو فراموش کرے اور نہ ہی اپنے ہدف کو نگاہوں سے اوجھل ہونے دے۔

اس لیے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کرنے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔اس طریقے کے مطابق اگر زندگی بسر کی جائے تو آہستہ آہستہ بندہ بھی مولا صفات بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ اس پر چڑھنا شروع ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ ؛یعنی اپنے اندر اللہ کے سے اخلاق پیدا کرو۔ چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات خلق عظیم کے مقام پر فائز اور اللہ کی صفات کی مثالی مظہر تھی اس لیے آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے کامل ترین عملی نمونہ قرار دیا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ جس کسی کو میری محبت مطلوب

ہو وہ میرے حبیب ﷺ کا اتباع کرے جو میرے حبیب ﷺ کے رنگ میں رنگا جائے۔جو میرے رسول ﷺ سے محبت کرے گا اس کے خلق عظیم کو اپنا کر خود بھی سراپا جمال اور مجسم رحمت بن جائے گا، جو نبی کریم رؤف ورحیم کے اتباع میں گالیاں دینے والوں کو دعائیں دینے اور راستے میں کانٹے بکھیرنے والوں کی دستگیری کرنے لگے گا میں اس سے بھی محبت کرنے لگوں گا میرے محبوب ﷺ کا حسن جس میں نظر آئے گا میں اس کو اپنا بنا لوں گا۔کیونکہ جو بھی ان کے حسن کا عاشق ہو جاتا ہے وہ خود بھی ان کے حسن کا مظہر بن جاتا ہے۔

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل! حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال اور اولاد کو آزمائش اور امتحان اس لیے قرار دیا ہے کہ ان دونوں کی محبت انسان کو اللہ کی محبت سے دور کر سکتی ہے ۔ان کا ہونا اور نہ ہونا اور زیادہ ہونا ،چھن جانا اور رل جانا سب اللہ کی محبت کا امتحان ہے ۔امتحانات ہمیشہ اگلے درجوں میں ترقی دینے کیلئے لیے جاتے ہیں ۔امتحان کے ذریعے امیدواروں کے معیار اور صلاحیت کی پرکھ ہو جانے کے علاوہ ان کی درجہ بندی بھی ہو جاتی ہے اور انہیں اپنی حیثیت اور مرتبہ کا پتہ چل جاتا ہے اگرچہ دولت اور عزو جاہ کی آزمائش غربت اور تنگدستی سے زیادہ مشکل ہو جاتی ہے اور اس میں گمراہی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے لیکن ہماری سوچوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کتاب مقدس میں کچھ ایمانی پرچوں کی تفصیل اور ان کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿ وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ؕ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴾

”اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور آپ خوشی سے برداشت کرنے والوں کو بشارت سنا دیں وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان پر جب بھی کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں اور رحمت ہوتی ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں“۔

اللہ کی محبت کا طالب اور سچا مومن تو پہلے ہی اپنے جان و مال سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اس بات پر بھی پختہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب کے ذریعے مجھے تکلیف دینا نہیں چاہتا بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعے میرے اندر اعلیٰ اوصاف پیدا کر کے اپنی نعمتوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح فوج کے زیرِ تربیت افسران اپنی ٹریننگ کے دوران کڑی سے کڑی مشقت کمیشن ملنے کی امید پر خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمیں کسی غلطی کی سزا دینے کی خاطر ان کٹھن مرحلوں سے نہیں گزارا جا رہا بلکہ ہماری شخصیتوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے لیے خصوصی قسم کی مشکلات اور رکاوٹوں پر مشتمل تربیتی کورس مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر وہ مطلوبہ اہلیت جو ملکی دفاع کی اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ناگزیر ہے ہمارے اندر پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ایک مومن اللہ کی محبت کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو اللہ کی نعمت جانتے ہوئے ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ اخلاق و کردار کا یہ خصوصی معیار اور منفرد اندازِ فکر انہی لوگوں کا حصہ ہے جن کے دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر باقی ہر شے سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ بندہ مومن کی کیفیت اس طرح قلم بند فرماتے ہیں:

ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش — میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند

ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم — کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند

بندۂ مومن دنیا میں بھرپور زندگی بسر کرتے ہوئے مال واسباب کے حصول کے لیے اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن ان کی خاطر پریشان ہونا اس کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا دل اللہ کی اس یقین دہانی پر مطمئن ہوتا ہے کہ ”کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں ہے مگر اس کو رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے“۔(ہود:٦)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی تسکین کا باعث بنتا ہے کہ ”بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق جمع کر کے ساتھ ساتھ اٹھائے نہیں پھرتے،اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے“۔(العنکبوت:٦٠)

اس طرح حضور ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اس کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آنے دیتی کہ ہر انسان کو اس کی قسمت کا رزق مل کر رہتا ہے اور کسی انسان کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ دنیا سے اپنا مقررہ رزق کھا نہیں لیتا اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کا سچا طالب اس حقیقت کو بھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت کسی فرد کو وافر اور کھلا رزق عطا فرماتے ہیں کسی کو نپا تلا اور کسی کو بعض اوقات ضروریات سے بھی کم عطا فرماتے ہیں وہ اپنے آقا کی حکمت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے مقدر کی روزی پر خوش رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے متلاشیوں کی راہنمائی اور ان کے دلوں کو تقویت پہنچانے کی خاطر قرآن کریم میں تقسیم رزق کی حکمت ظاہر کرنے کے لیے جو آیات نازل فرمائی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں تاکہ اللہ کے بندے طول امل،ہوا وہوس اور اونچے معیار زندگی کے حرص کے شیطانی پھندوں سے نکل کر صحابہؓ کی مانند فقر مصطفی ﷺ،اللہ کی رضا کے حصول اور اس کی مخلوق کی خدمت اور اصلاح کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنا کر جینا سیکھیں۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (النحل:٧١)

”اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔“

﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴾ (الفرقان: آیت:۲۰)

**ترجمہ**: ”اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے کیا تم اسے خوشی سے برداشت کرو گے؟ تمہارا ربّ دیکھنے والا ہے۔“

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ (الزخرف آیت: ۳۲)

**ترجمہ**: ”ہم نے ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے ربّ کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔“

ایک مومن کی عقل سلیم ان حقائق اور حکمتوں کو تسلیم کر لیتی ہے اور اس کا قلب سلیم ذوق الٰہی کی تقسیم پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ اس زندگی کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے اس لیے وہ دنیوی آسائشوں کو سمیٹنے کی دوڑ میں دیوانہ نہیں ہو جاتا کہ اپنی ساری توانائی اور صلاحیت اس میں کھپا دے اللہ کے پیار اور دیدار کو اپنی منزل بنالیتا ہے اور دنیا کی عارضی نعمتوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دیے ہوئے تھوڑے رزق پر ہی قناعت کر لیتا ہے ایسے صابر بندوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (القصص:۸۳)

**ترجمہ**: ”وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے اُن لوگوں کے لئے تیار رکھا ہے جو زمین میں نہ تو بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ ہی اس وجہ سے فساد کرتے ہیں اور بہتر انجام تو متقین کے لیے ہے۔“

تقویٰ سے مراد دنیا اور ما فیہا کی محبت سے اپنے آپ کو بچانا ہے تا کہ اللہ نے انسان کو اپنی محبت کی جو خلعت پہنائی ہے وہ خارزار حیات میں پیش آنے والے فتنوں میں الجھ کر داغدار یا

تار تار نہ ہو جائے متقین سے مراد وہی لوگ ہیں جو مال و دولت کی ہوس اور اہل و عیال کی محبت کو اپنے مولا کی رضا کی راہ میں ہرگز حائل نہیں ہونے دیتے۔علامہ اقبالؒ دورِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب کے نظامِ تعلیم کی معاشی بھول بھلیوں اور جھوٹے معیارِ زندگی کی فریب کاریوں سے بچنے کے لیے مومن کی محبت کے جنون کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
اس جنوں نے تجھے تعلیم سے بیگانہ کیا جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

اللہ کی محبت کا حصول انسان کی زندگی کا مقصود ہے ۔اس منزل تک رسائی کے لیے روح کو جو قوت درکار ہے اس کے لیے غذا اللہ کے ذکر سے ملتی ہے اور اس قدسی پرواز کے لیے نماز اور قرآن کریم کی تلاوت دو پروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔جو امور اس قوت پرواز میں کوتاہی کا سبب بنتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انتباہ فرما دیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (المنافقون: آیت:۹)

''اے اہل ایمان تمہارا مال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا وہ لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔''

انسان کا کمایا ہوا مال تو ادھر ہی رہ جاتا ہے اس پر اس کے پیارے پیارے رشتے دار قبضہ کر لیتے ہیں اور موج اڑاتے ہیں لیکن روزِ قیامت کمائی کا حساب اسے دینا پڑتا ہے جن کی خاطر انسان اللہ کو بھول کر دنیا میں غرق ہو جاتا ہے وہ اگرچہ روزِ حساب سب وہاں موجود ہوں گے لیکن سارے جگری دوست ، جاں نثار ساتھی اور قریبی رشتہ دار اس سے نظریں پھیر جائیں گے وہاں صرف اللہ سے محبت کرنے والے اہل ایمان کی دوستی بدستور باقی رہے گی کیونکہ ان کی باہمی

محبت محض اللہ کے لیے تھی۔ان رشتوں ناتوں کی بنیاد صرف دنیا کی زندگی کے مفادات پر قائم ہے وہ نہ صرف ساتھ چھوڑ جائیں گے بلکہ اُلٹا ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ جب دنیا ہی باقی نہ رہے گی تو وہم وگمان سے تراشے ہوئے یہ بت کیونکر باقی رہ سکیں گے۔اس لیے قرآن پاک میں دنیا کی زندگی کو متاع غرور یعنی دھوکے کا سودا قرار دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ میدان حشر میں دنیوی رشتوں اور مال ومتاع کی بے چینی کا منظر قرآن کریم کی چند آیات کے ذریعے ہمیں دکھاتے ہیں تا کہ ہم اللہ کی محبت کی نعمت کے قدر دان بنیں:

﴿ وَلاَ يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا o يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍم بِبَنِيْهِ o وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ oوَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْيْهِ oوَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴾ (المعارج:۱۰تا۱۴)

**ترجمہ**: ”اس دن کوئی دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب سے چھوٹ جائے اور بدلے میں دے ڈالے اپنے بیٹے اور بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور سارے اہل زمین کو دے کر اپنے آپ کو چھڑا لے“۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ o وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ o وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴾(عبس:۳۴تا۳۶)

”اس دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔“

﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍم بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾(الزخرف:۶۷)

**ترجمہ**: ”جو یہاں آپس میں دوست ہیں اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو نگے مگر متقین باہم دوست ہی رہیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا دستور انسان کو اس بے ثبات دنیا اور بے وفا رشتوں کی محبت میں

چھیننے کی بجائے اللہ کی پائیدار محبت کا درس دیتا ہے۔ اللہ جو انسان کا خالق اور رحیم و کریم آقا ہے جو سراپا رحمت ہے اور ہر انسان کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین کے تحت بھرپور زندگی بسر کرتے ہوئے بھی انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے اس طرح انسان کو عطا کیا جانے والا خصوصی جوہر اللہ کی محبت کی آگ میں تپ کر زر خالص بن جاتا ہے اور اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل لیتا ہے بقول علامہ اقبالؒ:

مس خامے کہ دارم از محبت کیمیا سازم　　　　کہ فردا چوں رسم پیش تو از من ارمغاں خواہی

اے اللہ میرے پاس جو خام تانبہ موجود ہے اسے محبت کی آگ میں ڈال کر کیمیاء بنا رہا ہوں تا کہ کل قیامت کے روز آپ کے پاس حاضر ہوں اور آپ مجھ سے تحفہ طلب کریں تو میں اسے آپ کے حضور پیش کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ نے روز اوّل ہی ہر انسان کے دل میں اپنی محبت کا گراں قدر ہیر املفوف کر دیا پھر اپنے رسولوں کے ذریعے اس گوہر بے بہا کی چمک دمک میں اضافہ کرنے والے اور اس کی قدر و قیمت کو کمال تک پہنچانے والے اور اس کے برعکس اسے خاک سیاہ کر دینے اور تباہ و برباد کر دینے والے اعمال سے آگاہ کر دیا۔ اب ہر وہ انسان جو اس موتی کو تراش کر چمکا دمکا لے گا وہ کامیاب ہو جائیگا اور جس نے نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کی تسکین میں مگن رہ کر اسے خاک میں ملا دیا وہ برباد ہو جائے گا۔ اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس:۸تا۱۰)

**ترجمہ**: ''پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کرنے کو سمجھ دی۔ جس نے اس کو سنوار لیا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ نامراد ہوا۔''

اب تک جو رموز و اسرار محبت ہمارے سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں کامیاب زندگی



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

کسی ایسے نظام کی متقاضی ہے جو پوری بنی نوع انسان کے اندر پوشیدہ اللہ کی محبت کو بیدار کر کے اس کی زندگی کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے حریم کبریاء کی جانب اس کی پرواز کے ذوق کو بڑھاوا دے۔ان مقاصد جلیلہ کی تکمیل کا ضامن اللہ کا دین ہی ہوسکتا ہے۔اس مسئلے پر پوری امت مسلمہ اللہ کی طرف سے اس عمل کی مکلّف ہے کہ پہلے خود اجتماعی طور پر اس آئین کی عملی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کرے، اسے اس کی برکات کا مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔پھر پوری انسانیت کو اس آئین کے مطابق ڈھالنے کی جدوجہد کرے جس میں اللہ کی محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس بنیادی اصول کا تقاضا ہے کہ اجتماعی زندگی اس طرح تشکیل دی جائے کہ اس میں شان وشوکت کی بجائے سادگی کو رواج ملے۔جس میں زندگی جسموں کی زیبائش، مکانوں کی آرائش اور دولت کی نمائش کے گرد گھومنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر،قلوب کی اصلاح اور مخلوق خدا کی فلاح کو اپنا محور بنائے جس میں تمام انسان اللہ ربّ العالمین کی حاکمیت کے تحت اس کے تابع فرمان بندے اور باہمی محبت کرنے والے بھائی بن کر بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ کے آئین رحمت کی مخالفت کرنے والوں کے جھوٹے الزامات اور بودے اعتراضات کی پروانہ کرتے ہوئے محض اللہ کی رضا کی خاطر دوسرے انسانوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرنے۔آخرت کے عذاب سے بچانے اور اللہ کی محبت کی راہ پر ڈالنے کے لیے مسلسل جہاد کرتے رہیں ورنہ اللہ حکیم وخبیر صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے والی لیکن عملی طور پر دنیا کی محبت میں مستغرق قوم کو عالمی قیادت کے منصب سے معزول کر کے اس جگہ کسی دوسری باصلاحیت قوم کو کھڑا کر دے گا۔جو لوگ اللہ اور آخرت کی زندگی پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دے کر جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیں گے انہوں نے گویا اللہ کے دین کو ہی ترک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی اہمیت اور مومنین کے کردار کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (المائدہ:۵۴)

**ترجمہ**: ''اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیں گے تو اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔''

اُمت مسلمہ کے سینے میں جب تک اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ فروزاں رہی اس کے سامنے آنے والی باطل قوتیں خس و خاشاک کی طرح جل کر خاک میں مل گئیں۔اس کی مخالفت میں اُٹھنے والے طوفان اس شعلہ جوالہ کو بجھانے کی بجائے اس کے آتش شوق کو تیز سے تیز کرتے رہے جب سے یہ آگ بجھی ہے اعمال بے روح اور بے جان ہو گئے ہیں اور ہماری منزل نگاہوں سے گم ہو چکی ہے دنیا میں طویل عرصے حکمرانی کرنے والی قوم اب کاسۂ گدائی لیے کفار و مشرکین کے در پر جبہ سائی کر رہی ہے۔عشق کی آگ بجھ جانے کے سبب مسلمان راکھ کے ایک ڈھیر کی مانند ہو کر رہ گئے ہیں جسے زمانے کی آندھیاں اپنی ٹھوکروں میں لیے جدھر چاہتی ہیں، اڑاتی پھرتی ہیں۔

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشان، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

# متاع دنیا

اس سے پہلے ہم حیات ارضی کی اہمیت واضح کر چکے ہیں اس لئے اللہ کے دین میں رہبانیت یعنی ترک دنیا کے تصور کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔اللہ تعالٰی کے قرب و رضا تک پہنچنے کا راستہ مخلوق خدا سے دور اور دنیا سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر سے ہو کر گزرتا ہے۔ہم سب انسان اللہ کے لئے اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔اس فانی دنیا میں ہمارا قیام بے شک عارضی ہے لیکن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیابی کا انحصار یہاں اللہ کو اپنا آقا و مولا اور محبت کا مرکز تسلیم کر کے اس کے آئین کا پابند ہو جانے اور ساتھی انسانوں کی خدمت کرنے پر ہے۔اللہ کے دین میں دولت، عزت اور حکومت کو معیوب اور ناپسندیدہ نہیں بتایا گیا بلکہ قرآن کریم میں انہیں اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ بنی اسرائیل کو دنیوی بادشاہت کی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ يَا قَوْمِ اذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاء وَجَعَلَكُم مُّلُوكاً وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَداً مِّن الْعَالَمِينَ ﴾ (المائدہ: آیت:۲۰)

**ترجمہ:** "اے قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔"

اسی طرح ایک بستی والوں کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کی سہولتوں اور رزق کی فراوانی کو

اپنی نعمتیں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴾ (النحل: آیت:۱۱۲)

**ترجمہ:** ''اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر ناشکری کا مزہ چکھا دیا۔''

اس کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر بھی دنیوی اقتدار اور حکمرانی کو اپنا انعام فرمایا ہے بلکہ سورت انبیاء میں تو یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ زمین کی وراثت و خلافت کا حق میرے صالح بندوں کا ہی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں اہل ایمان کو نماز کے بعد رزق کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جانے کے لئے فرمایا گیا وہاں رزق کو اللہ کا فضل کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الاٰخِرَةِ حَسَنَةً کی دُعا سکھلا کر دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں طلب اور حاصل کرنے کی جامع تعلیم دے دی ہے۔ ان آیات سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اصل مسئلہ ان نعمتوں کے اغراض و مقاصد سمجھنے کا ہے اور جب یہ نعمتیں انسانوں کے ہاتھوں آ جاتی ہیں تو وہ اللہ کی مخلوق کو ستانے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کی راہ پر چل نکلتے ہیں اور زمین میں فساد پھیل جاتا ہے۔ مگر جب یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندوں کے تصرف میں آتی ہیں تو وہ انہیں کبھی بھی زندگی کا مقصود اور ماحصل نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں اللہ کی رضا کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کے لئے صرف کرتے ہیں اور زمین کو امن و امان، صلح و آشتی اور عدل و انصاف سے بھر دیتے ہیں یہ بڑی عام فہم سی حقیقت ہے کہ یہ مادی دنیا اور اس کی تمام نعمتیں گھٹیا اور ختم ہو جانے والی ہیں۔

یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اُدھر ہی رہ جائے گا اس کے برعکس آخرت کی نعمتیں اتنی عمدہ او راعلیٰ ہیں کہ انسانی وہم وگمان میں نہیں آ سکتیں اور پھر ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں ۔ وہاں جس کو جو کچھ ملے گا چھینا نہیں جائے گا ۔ پھر بھی انسان اپنے نفس کے رجحانات کی وجہ سے مادی دنیا کی طرف ہی زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے ۔ لیکن انسان کی اندرونی کیفیت یعنی روح کا رجحان ہمیشہ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے محظوظ ہوتی ہے ۔ لیکن اسے مادّے کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کی محبت کے نور سے آشنا کرنے کے لئے تزکیہ یعنی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ عظیم نعمت اللہ کے رسول ﷺ یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے مردان خود آگاہ و خدا مست کی صحبت اور نظر کیمیا کے اثر سے ملتی ہے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے صدقے جو لوگ ایمان لا کر نماز اور ذکر کو اپنی زندگی کا اہم ترین جزو بنا لیتے ہیں ان کے دل اللہ کی محبت اور یقین کی دولت سے مطمئن ہو کر متاع دنیا کی کشش سے آزاد ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کریم انسان کو اس جبلی رجحان سے نجات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے راستہ بتاتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى o اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى o صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴾ (الاعلیٰ: ۱۴ تا ۱۹)

**ترجمہ** : ”بے شک وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۔ مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے ۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں مرقوم ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں ۔“

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے دنیا کی زندگی کی حقیقت ایک مثال دے کر سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری زندگی تو ایک مسافر کی مانند ہے جو سرِ راہ کسی سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کے لئے رک جائے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے یہ اتنی عمدہ

مثال ہے کہ اپنی سادگی کے بڑے بڑے نظریات اور فلسفوں سے بھی زیادہ موثر اور سبق آموز ہے ذرا غور فرمایئے کہ جو مسافر راستے میں کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر ستانے کے لئے ٹھہرتا ہے تو وہ اس درخت کا مالک تو نہیں بن جاتا ۔ نہ وہ اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنے کا مجاز ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے ۔ البتہ وہ اس کے سایہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اپنی سواری کے جانور کو اس کے ساتھ باندھ سکتا ہے ۔ اگر درخت پھلدار ہے تو اس کے پھل سے اپنی بھوک رفع کر سکتا ہے اگر اسے آگ کی ضرورت ہو تو اس کی خشک ٹہنیوں اور سوکھے پتوں سے آگ جلا سکتا ہے ۔ اس درخت کی طرح وہ تمام چیزیں جن سے ہم صرف عارضی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ''متاع'' یعنی استعمال میں لائی جانے والی اور برتنے کی چیزیں کہلاتی ہیں ۔

قرآن کریم بار بار یہ حقیقت ذہن نشین کراتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس میں موجود ساری نعمتیں نہایت ہی مختصر عرصہ کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حیثیت کے عین مطابق انہیں متاع کا نام دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت ملاحظہ فرمایئے کہ اس میں دنیوی زندگی کو ایک مرتبہ بھی گھر کا نام نہیں دیا گیا عربی زبان میں گھر کو دار کہتے ہیں اور قرآن میں دارالدنیا کی ترکیب استعمال نہیں کی گئی البتہ دارلآخرہ بار بار آیا ہے ۔

معلوم ہوا کہ انسان کا گھر یہ دنیا نہیں ہے یہاں یہ مسافر کی حیثیت سے ہے اور اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہے اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کو لہو ولعب قرار دیتے ہیں جس کے معنی کھیل اور تماشا کے ہیں ۔ کھیلوں کی افادیت تو یہ ہے کہ ان سے انسان اپنی جسمانی اور ذہنی صحت بہتر بنا کر کامیاب زندگی بسر کرے نہ کہ تفریح کو ہی زندگی کا مقصد بنا لے اور کسی کلب میں ڈیرے ڈال کر اپنے گھر ہی کو بھول جائے ۔ دنیوی زندگی کی اس حقیقت کا دنیا ہی میں مشاہدہ کر لیں ۔ جس طرح کوئی معقول اور ذی شعور شخص کسی کھیل کے میدان ، ورزش کے کلب ، تفریح گاہ ، تماشا گاہ

اور سینما تھیٹر وغیرہ میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ نہیں جاتا بلکہ وہاں مختصر عرصہ گزارنے کے بعد اپنے گھر لوٹ آتا ہے اسی طرح اس دنیا سے ہم سب کو اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔اللہ نے متاع حیات انسانوں کے برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھا ہے۔ نہ کہ اس پر اپنی ملکیت جتانے اور اس کی خاطر فساد کرنے کے لئے حیات دنیا کے بارے میں قرآن کریم کی چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ (المومن:۳۹)

''اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہ ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔''

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:۶۴)

''اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی کا مقام ہے کاش یہ لوگ سمجھتے۔''

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (الشوریٰ:۳۶)

''تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تو دنیا کی زندگی کا ناپائیدار فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے بہتر اور قائم رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی حقیقت بار بار بیان فرماتے ہیں تا کہ انسان اس کے دھوکے میں آ کر آخرت کی حقیقی زندگی کو نظر انداز نہ کر دے۔اس عارضی زندگی کا حسن دھوکہ دینے والا ہے اور اس کی نعمتیں عارضی ہیں۔ یہاں کی کوئی چیز مستقل اطمینان عطا نہیں کر سکتی۔ یہاں کوئی مال و دولت کی کمی کی وجہ سے پریشان ہے تو دولت مند بھی مال کے جھمیلوں میں الجھ کر سکون کے لئے ترستا دکھائی دیتا ہے۔کوئی اولاد حاصل کرنے کے لئے دعائیں مانگ رہا ہے تو کوئی اولاد کے

ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کر رہا ہے۔ کھانے والی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز ہی کیوں نہ ہو جب پیٹ بھر جائے تو اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اپنے استعمال کے لئے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز مثلاً ٹی وی، فریج یا موٹر کار خرید لیں۔ چند دن یا چند ماہ تو انہیں دیکھ کر اور استعمال کر کے خوشی کا احساس ہوتا رہے گا پھر آہستہ آہستہ کم ہو کر بالکل غائب ہو جائے گا۔ الغرض یہاں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے جو لوگ اللہ کی بات تسلیم کر کے اس کی محبت اور اطاعت کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے وہ کامیاب ہو جائیں گے اور جو دنیا کے دل فریب منظر کو حقیقی اور دائمی جان کر اسی کے دلدادہ ہو کر رہ جائیں گے انہیں آخرت میں پچھتانا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کو موسمی فصل کے مشابہ قرار دیتے ہیں کہ جب وہ اپنے جوبن پر ہوتی ہے تو جاذبِ نظر اور دل کو لبھانے والی ہوتی ہے لیکن چند دن بعد ہی اس کا سارا حسن کافور ہو جاتا ہے۔ اور وہ سوکھ کر چورا چورا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تمثیل کا مشاہدہ کیجئے اور عبرت حاصل کرنے والوں میں ہو جائیں:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (الحدید: ۲۰)

**ترجمہ** : ”جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت و آرائش اور تمہارے فخر و ستائش اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب و خواہش ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اُگتی اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زرد پڑ جاتی ہے اور چورا چورا ہو جاتی ہے زندگی کا انجام بھی اسی طرح ہوگا اور آخرت میں کافروں کے لئے سخت عذاب اور مومنوں کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور پھر سن لو کہ دنیا کی زندگی متاعِ فریب ہے۔

# دنیا سے محبت

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی بنائی ہوئی کوئی چیز بری ہو ہی نہیں سکتی۔ دنیا کو بھی خالق کائنات نے ایک خاص مقصد کے لئے صرف انسان کی خاطر پیدا فرمایا اور انسان کو اس سے استفادہ کرنے کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ ساری خرابی انسان کی ناسمجھی اور غلط روش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جب وہ متاع حیات کو اپنا مقصود جان کر اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس میں مادی لذات کی کشش پیدا کر رکھی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان اللہ کی عطاء کردہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:۱۴)

**ترجمہ:** ”لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔“

دنیا کی ساری نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تا کہ انسان اللہ کے احسانات کو پہچانے اور اس کے ساتھ اور زیادہ محبت کرے۔ شکر گزاری کی روش پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے اور

نعمتوں میں مزید اضافہ فرمادیتے ہیں اور اگر انسان احسان ناشناسی کر کے کفر کی راہ اختیار کرے تو اس کے لئے سخت عذاب کی وعید ہے۔

اللہ کا دین انسان کو زندگی کی مکمل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ حیات ارضی کے مختصر عرصہ کو ہی سب کچھ جان کر اسی میں کھو کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقت شناس بن کر اس تربیت گاہ کا دورانیہ اس طرح بسر کرے کہ آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکے آخرت کی فلاح متاع دنیا کو ترک کرنے سے نہیں بلکہ اسے تعمیری کاموں میں استعمال کرنے میں ہے اگر انسان کی تخلیق کا مقصد دنیا میں آئے بغیر پورا ہو سکتا تو اللہ تعالی اسے ہرگز یہاں نہ بھیجتے اس لئے دنیا کو برا سمجھنا یا اس کی مذمت کرنا درست نہیں ہے۔قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو زمین کی خلافت کے لئے بنایا ہے انسان کو دریائے حیات کے اس پار واقع اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے لئے دنیوی متاع کی اسی طرح ضرورت پڑتی ہے جس طرح کشتی کو سفر کرنے کے لئے پانی کی ۔اگر پانی ہی موجود نہ ہو تو کشتی ریت پر سفر کرنے سے تو رہی ۔البتہ یہ احتیاط ہر قدم پر لازم ہے کہ پانی کشتی کے نیچے ہی رہے اگر یہ کشتی کے اندر داخل ہو گیا تو اسے ڈوبنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔اسی طرح اگر مومن کے پاس مال و دولت ہی نہ ہو تو وہ زکوۃ ،صدقات ،فطرانہ ،حج اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے اہم فرائض کی ادائیگی سے محروم رہ جائے گا۔مومن دنیا کی تمام نعمتوں کو تصرف میں تو لاتا ہے لیکن ان سے محبت نہیں کرتا ۔اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک پردیسی کی مانند سمجھتے ہوئے اپنے اصلی گھر کو آباد کرنے کے لئے کوشاں اور وہاں جانے کے لئے بے تاب رہتا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان اسے خوف وحزن اور موت کے ڈر سے آزاد کر دیتا ہے ۔مومن کیلئے موت تو محنت کا صلہ اور بندگی کا انعام وصول کرنے کی گھڑی بن جاتی ہے ۔وہ موت کو ایسا پل سمجھتا ہے

جس پر گزرے بغیر وہ اپنے محبوب سے ملاقات نہیں کرسکتا۔ موت کے ساتھ اس طرح سے پیار کا تعلق ان مقربین بارگاہ کا ہی ہوسکتا ہے جنہیں اپنے عقیدہ و ایمان کی صداقت، عمل کی راستی اور آخرت میں اللہ کے وعدوں کے مطابق کامیابی پر یقین کامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موت کی آرزو کرنے کو ایمان کی صداقت کا نشان ٹھہراتے ہوئے جو فرمایا اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

"آپ ﷺ کہہ دیں کہ اے اہل یہود اگر تمہیں یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور دوسرے لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی آرزو تو کرو اور یہ ان اعمال کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔" (الجمعہ: ٦۔ ٧)

اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اللہ کے ہاں واپس جانے پر اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح کوئی پردیسی اپنے وطن واپس لوٹتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی میں تمہیں مردِ مومن کی ایک نشانی بتاتا ہوں کہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار دنیا اور آخرت کا موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان اپنی بصیرت استعمال کرے اور دنیا کے فریب میں گرفتار نہ ہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ نہ تو دنیا کی نعمتوں میں کوئی خرابی ہے اور نہ ہی ان کے استعمال کی ممانعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی انبیاء کو دنیوی بادشاہت سے بھی نوازا تھا۔ قرآن کریم میں مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے مثال حکمرانی کا بیان بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کے سردار اللہ کے حبیب حضور رحمۃ للعالمین ﷺ تو جو خواہش فرماتے اللہ تعالیٰ کے دربار سے مل سکتا تھا لیکن آپ ﷺ

نے اللہ کی رضا اور فقر کو ہی پسند فرمایا۔ آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم مملکتوں کی امارت اور سیادت عطا فرمائی ۔اصل خرابی اللہ کو بھول کر دنیا کی محبت میں دیوانہ ہو جانے اور اپنی ساری صلاحیتیں اس کے حصول میں کھپا دینے میں ہے۔اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ الْخَطِیْئَۃَ (یعنی دنیا کی محبت خطاؤں کا منبع ہے)۔

اس لئے تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کی محبت کو جاننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب انسان کے سامنے دنیا اور آخرت کی حقیقت کھول کر رکھ دیتی ہے تا کہ انسان دنیا کو اپنی خادمہ سمجھ کر اس سے خدمت لے اور اللہ کی محبت کا طلب گار رہے نہ کہ اس خادمہ پر ہی فدا ہو کر اپنے حقیقی محبوب سے دور ہو جائے اور اس کے غضب کا سزاوار ٹھہرے۔قرآن مجید کی چند آیات میں دنیا سے محبت کرنے اور اسے آخرت پر ترجیح دینے والوں کے انجام سے ڈرایا گیا ہے وہ یہاں درج کی جاتی ہیں:

﴿ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ یَبْغُوْنَہَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ م بَعِیْدٍ ﴾ (ابراہیم:۳)

**ترجمہ:** ”جو لوگ آخرت کی نسبت دنیا سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں۔“

﴿ فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ (النحل:۱۰۶۔۱۰۷)

**ترجمہ:** ”کافروں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور اس لئے کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی o وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا o فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی﴾ (النازعات:۳۷۔۳۹)

**ترجمہ:** ''جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

﴿زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (البقرہ:۲۱۲)

**ترجمہ:** ''جو کافر ہیں ان کے لئے دنیا کی زندگی خوش نما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں لیکن جو لوگ پرہیز گار ہیں وہ قیامت کے دن اُن پر غالب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِھَا وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ o اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾ (یونس:۷۔۸)

**ترجمہ:** ''جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور وہ دنیا کی زندگی سے خوش اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں اُن کا ٹھکانہ، اُن اعمال کے سبب جو وہ کرتے ہیں، دوزخ ہے۔''

﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَ ھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (ہود:۱۵۔۱۶)

**ترجمہ:** ''جو لوگ دنیا کی زندگی اور اُس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم اُن کے اعمال کا بدلہ اُنہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں اُن کی حق تلفی نہیں کی جاتی یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع۔''

انسان کی بنیادی ضروریات محدود سی ہیں اور وہ بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں لیکن ہوا و ہوس خواہشات کی کوئی حد نہیں یہی وجہ ہے کہ روٹی کپڑا مکان اور دوسری ضروریات کو ہماری لامحدود ہوس نے اس قدر پھیلا دیا ہے کہ انسان کے بس سے باہر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اب تو مادہ پرستی کے غلبہ کی وجہ سے کیفیت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ انسان روٹی کھا کر زندہ رہے۔ روٹی کا غم انسان کو کھا گیا ہے اسے سر چھپانے کے لئے ایک چھوٹا سا کوٹھا درکار تھا لیکن اب بڑی کوٹھی کے لالچ نے اسے پھانسی والی کوٹھی لگا دیا ہے اسی طرح موٹر گاڑی کی سواری کا بھوت خود انسان پر سوار ہو گیا ہے۔ اسے تن ڈھانکنے کے لئے سادہ سے کپڑے کی ضرورت تھی لیکن قیمتی ملبوسات اور فیشن کی ہوس اسے ننگا کر کے تنگی کا ناچ نچا رہی ہے۔ انسانی نفس کی بے لگام خواہشات نے تعیّشات کو ضروریات کا روپ دے کر بنی نوع انسان کو اس دیوانہ وار دوڑ میں لگا دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر کوئی پریشان دکھائی دیتا ہے کیوں کہ خواہشات کے مقابلے میں وسائل ہمیشہ محدود ہوتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی امت کا انداز فکر اور طرز حیات اس طرح کا نہیں ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو عبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ کیا ہم مہاجر لوگ فقرا میں سے نہیں ہیں ؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی نہیں ہے جس کے پاس تم ٹھکانہ کرتے ہو؟ کہا ہاں! پھر فرمایا کیا تمہارے پاس رہائشی مکان ہے؟ عرض کیا موجود ہے۔ فرمایا پھر تو تمہارا شمار دولت مندوں میں ہوتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس خادم بھی ہیں۔ فرمایا پھر تو تمہارا شمار بادشاہوں میں ہے۔

حضور ﷺ کی اپنی زندگی جو اللہ سے محبت کرنے والوں کے لئے کامل نمونہ ہے دنیوی آرائش و زیبائش سے یکسر خالی ،فقر و فاقہ میں بسر ہوئی تھی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی

فیضانِ نبوت کے زیر اثر تسلیم و رضا میں ممتاز ہو چکی تھیں لیکن جب اسلامی فتوحات بڑھنے کی وجہ سے مالِ غنیمت میں اضافہ ہونے لگا تو ان پاک دامن ہستیوں کے دل میں بھی اپنی حالت کی بہتری کیلئے تحریک ہوئی۔ جب ان مجسم وفا ہستیوں نے اپنی جائز خواہش کا اظہار فرمایا تو یہ بات حضور ﷺ کے اطمینان خاطر میں اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ تمام ازواج مطہرات سے علیحدہ ہو کر ایک ماہ کے لئے حجرہ نشین ہو گئے آخر کار اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ تمہیں دنیا اور آخرت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا O وَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب:٢٨)

**ترجمہ:** ''اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت و آرائش کے خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ رسول اور آخرت کے طلب گار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں اُن کے لئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ہم لوگ جو نفس کے بہانوں میں آ کر اور ابلیس کی ملمع کاری سے فریب کھا کر دنیا کی لذات کے پیچھے دیوانے ہو جاتے ہیں اور مادی نعمتوں کا پیچھا کرنے کے لئے جواز تلاش کرتے پھرتے ہیں اور فکر آخرت سے آزاد ہو جانے کے لئے اپنے مطلب کی تفسیریں لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ ایک معصوم سی خواہش کرنے پر حضور سرور کائنات ﷺ کے شرف زوجیت سے محرومی کا خطرہ پیدا ہو گیا آخر ان زہد و تقویٰ کی مجسم تصویروں اور اللہ کی پرخلوص بندیوں نے اپنے مطالبے سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے

یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو لیتی ہیں۔

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور یہ غلط گمان رکھتے ہیں کہ کائنات خود بخود ہی وجود میں آ گئی اور ہم اپنے اعمال کے لئے کسی ہستی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ایسے بے دین یعنی آزاد روش اور من مانی کرنے والوں کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں مادی دنیا کی لذات کے حصول میں صرف ہو جاتی ہیں ایسے لوگ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو ان کی جو حالت زار اس وقت ہوگی اس کا نقشہ بھی قرآن نے بڑی خوبی کے ساتھ کھینچ دیا ہے تا کہ کفار کے ساتھ ساتھ ان مسلمانوں کو بھی عبرت حاصل ہو جو زبان سے تو ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات کو نظر انداز کر کے اور ان کی محبت کو ترک کر کے دنیا کے کاموں میں ہی غرق ہو کر رہ گئے ہیں۔

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے خسارے میں ہیں۔وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے ان کی سزا جہنم ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں کی ہنسی اڑائی۔''

﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴾ (الاحقاف:۲۰)

**ترجمہ**: ''اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے تو کہا جائے گا کہ تم لذتیں دنیا کی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے یہ اس کی سزا ہے کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بد کرداری کرتے تھے۔''

# روح کا مادّی وجود تک کا سفر

اب ہم بیسویں صدی کے عظیم صوفی محقق اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف "تعمیر ملت" کی مدد سے انسانی روح کے اس سفر کا حال مختصراً بیان کرتے ہیں جو وہ روح بسیط سے لے کر مادی وجود میں ظہور پذیر ہونے تک طے کرتی ہے۔

بنیادی طور پر کائنات دو عوالم پر مشتمل ہے ایک عالم امر اور دوسرا عالم خلق۔ عالم خلق کو سمجھنے اور سہولت کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک عالم مثال اور دوسرا عالم مادی۔ عالم مادی میں زمین، چاند، سورج، ستارے اور تمام کہکشائیں شامل ہیں۔ عالم مثال اور عالم امر اس تمام کائنات کی فضا اور خلا میں پھیلا ہوا ہے اور وہ ہماری زمین، دوسرے کرّوں اور کہکشاؤں میں بھی موجود ہے۔ لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی عالم مثال میں رہنے والی مخلوق کو یہ کرّے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ کائنات کروی شکل کی ہے جس کا مرکز عرش اور اس کا مرکز عین ذات یا ذات بحت کا جائے قرار ہے۔ عرش کے نزدیک ترین اور چاروں طرف لاتعداد اور نہایت لطیف طبقات جنہیں بسائط کہتے ہیں، واقع ہیں۔ ان میں سے خاص و خاص روح بسیط عقل بسیط، نفس بسیط اور آخر میں عدم بسیط ہے جہاں عالم امر ختم ہو جاتا ہے۔ عالم امر کے بعد اس سے ذرا کثیف عالم مثال ہے۔ جس میں جنتوں اور دوزخوں کے عوالم ہیں اور آخر میں ہمارا یہ مادّی عالم ہے۔ روح کا سفر نہایت ہی لطیف طبقہ روح بسیط سے شروع ہو کر کثیف ترین

مادّی وجود کی منزل پر ختم ہوتا ہے قرآن کی سورۂ التین میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ﴾

**ترجمہ**: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا احسن انداز میں پھر ڈال دیا اسے پست سے پست حالت میں۔''

جب حق تعالیٰ کسی روح کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو روح بسیط سے اس کا روحانی ایٹم لمبا ہو کر نیچے والے طبقات کی طرف نزول کرنے لگتا ہے لیکن اس ظل کا ایک سرا روح بسیط میں اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ جب یہ شعاع عقل بسیط میں داخل ہوتی ہے تو بقدر استعداد عقل کو جذب کرتی ہوئی نفس بسیط میں داخل ہوتی ہے اور نفس سے جو حصہ مقدر ہوتا ہے، لے لیتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں اس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ نفس خواہشات مجرد ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ روح میں خواہشات کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح روح مزید نزول کرتی ہوئی عالم امر سے نکل کر عالم مثال کی جنتوں اور دوزخوں کے عوالم سے گزرتی ہوئی مادے کی سب سے لطیف اور آخری حد ایثر میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں وہ حواس خمسہ اور دیگر مادی خواص وقوئ کو بقدر استعداد اخذ کرتی ہوئی نظام شمسی کے آفتاب میں جاتی ہے اور اس سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے زمین یا اس کرے میں پہنچ جاتی ہے، جہاں اس کو پیدا ہونا ہوتا ہے۔ وہاں کی مٹی سے جماداتی خواص واثرات جذب کرتی ہوئی نباتات کے پردے میں زمین سے نکلتی اور کسی کھانے کی چیز مثلاً غلہ یا پھل وغیرہ میں داخل کی جاتی ہے پھر وہ چیز اللہ کے قضاء قدر کے نظام کے تحت اس شخص کو کھلائی جاتی ہے جو اس کا باپ بننے والا ہوتا ہے۔

جس طرح مٹی کے خلاصہ اور جوہر سے غلہ، پھل اور سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اس طرح انسانی جسم میں پہنچ کر غذا کے خلاصہ سے نطفہ بنتا ہے۔ روح بسیط سے چلنے والی شعاع یعنی



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

روح انسانی و درجہ بدرجہ لطیف سے کثیف تر ہوتی ہوتی نطفہ کی حالت تک آ پہنچتی ہے۔نطفہ کیا ہے؟ وہ ننھا سا جرثومہ صلبِ پدر سے رحم مادر میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں رحم مادر سے اپنی غذا حاصل کر کے درجہ بدرجہ کثیف ہوتا جاتا ہے اس مادی تعمیر میں کم وبیش نو ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔اس دوران جب روح کی ضرورت کے مطابق مادی جسم تمام اندرونی اور بیرونی اعضا سمیت مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ کے حکم کے تحت انسان شکم مادر سے باہر آ جاتا ہے۔جنات کی تخلیق کے بارے میں عام طور پر یہی الفاظ آتے ہیں کہ انہیں آگ سے پیدا کیا گیا۔لیکن سورۃ رحمٰن میں بڑی باریکی سے بیان کیا گیا کہ آگ کے انگاروں سے نہیں پیدا کیا بلکہ فرمایا وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔اسی طرح انسان کی پیدائش مٹی سے بیان کی جاتی ہے لیکن قرآن نے جب اس کی تشریح کی تو اسے مٹی کا خلاصہ یا جوہر قرار دیا۔چنانچہ سورۃ مومنون میں ہے:

''ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے( سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ) سے پیدا کیا پھر اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنایا۔اللہ بڑا بابرکت اور سب سے بہتر بنانے والا ہے۔''

مٹی میں عناصر ہوتے ہیں ان میں نمکیات اور معدنیات کی ایک قلیل مگر مناسب مقدار انسانی جسم میں بھی پائی جاتی ہے کیوں کہ روح زمین کی مٹی کے خلاصہ کو جذب کرتی ہوئی آتی ہے۔ سورۃ نوح کی آیت ۱۸۔۱۷ میں واضح کر دیا گیا ہے:

وَاللّٰهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتاً (17) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجاً (18)

''اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر''۔

قرآن اور بھی کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اللہ سب انسانوں کو مٹی سے پیدا کرتا ہے۔بعض علما بغیر کسی تحقیق کے اس طرف جاتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا

کیااور باقی انسانوں کو نطفہ سے۔ جب کہ قرآن بار بار مادی تخلیق کی ابتداء مٹی سے بنا کر اگلے مرحلہ میں نطفہ کا ذکر کرتا ہے۔

اَکَفَرۡتَ بِالَّذِیۡ خَلَقَکَ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا (سورۃ کہف:۳۸)

"کیا تو منکر ہو گیا اس ذات سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر پورا کیا تجھ کو مرد۔"

سورۃ النجم آیت نمبر ۳۲ میں سارے انسانوں کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ‌ فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (سورۃ النجم:۳۲)

"وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے"۔

اسی طرح سورۃ الحج کی آیت نمبر ۵ اور سورۃ الفاطر کی آیت نمبر ۱۱ میں بھی مٹی اور نطفہ دونوں کا ذکر آتا ہے۔

اتنی واضح آیات کی موجودگی میں تخلیق کی ابتداء نطفہ ہی سے کیوں تصور کی جائے جب مزید تفصیل جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ آخر نطفہ کس طرح بنتا ہے تو قرآن کی تشریح صحیح جواب معلوم کرنے میں رہنمائی کرتی ہے کہ نطفہ غذا کے خلاصہ سے بنتا اور غذا مٹی کے خلاصہ سے بنتی ہے اس طرح قرآن میں بیان کی گئی ساری کڑیاں ٹھیک طور پر آپس میں مل جاتی ہیں۔

# نفس کی اہمیت

انسانی روح میں پیدائشی طور پر دوسری صلاحیتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی استعداد موجود تھی ۔روح اپنے خالق کو پہچانتی اور اس سے محبت کرتی تھی ۔اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس مادّی عالم میں اس لئے بھیجتے ہیں کہ جو خصوصی جوہر اسے عطا کر رکھا ہے اس کا اظہار کر کے علم و معرفت کے ذریعے اللہ کی محبت کے اس مقام تک پہنچ سکے کہ خود اللہ کا محبوب بن جائے ۔اس مقصد کے حصول کے لئے اسے عقل، نفس، قلب، آنکھیں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور مناسب مادّی جسم عطا فرمایا ۔خلافتِ ارضی کے عظیم منصب کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے ان سب چیزوں کی انہیں ضرورت تھی ۔ہمارے ہاں نفس کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کی اہمیت اور صلاحیت کے بارے میں وضاحت کرنا نہایت ضروری ہے ۔نفس مجرد خواہش کا نام ہے یعنی نفس کی وجہ سے ہی انسان کو خواہش کرنے کی اہلیت حاصل ہوئی ۔نفس خواہشات کا خزانہ اور مرکز ہے ۔روح کے برخلاف اس میں فطری طور پر سرکشی، شرارت اور بغاوت کا جذبہ ہے اور یہ پابندیوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا ۔اس میں لالچ، غصہ، جنسیت اور خود نمائی جیسی جبلتیں موجود ہوتی ہیں ۔اس لئے یہ مادّے سے قطعی مختلف ہے لیکن اسے مادّی عالم میں کچھ عرصہ کے لئے قیام کرنا تھا ۔آسانی کی خاطر یوں سمجھ لیں کہ روح نے مادّے سے آشنائی پیدا کرنے اور اسے اپنی دسترس میں لانے کی خاطر نفس کے ساتھ دوستی کر لی ۔چونکہ نفس کی دلچسپی مادّے کے ساتھ ہے

اس لئے اس کی تحریک سے روح میں مادّی کائنات کو تسخیر کرنے کی امنگیں اٹھتی رہتی ہیں۔
اگر انسان میں نفس نہ ہوتا تو اس میں کسی قسم کی کوئی خواہش بھی نہ ہوتی اگر کوئی خواہش ہی نہ ہوتو جسم میں حرکت کیوں ہوگی اور جس جسم میں کوئی حرکت ہی نہ ہو اسے زندہ کیونکر کہا جا سکتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو مادّی زندگی کا اظہار نہ ہوتا نہ ہی تسخیر و تعمیر کا کوئی کام ہوتا اور نہ ہی خلافت ارضی کا مقصد پورا کیا جا سکتا۔ نفس کی خواہشات بے شمار ہیں اور روح کی صلاحیت اور قوت بھی لامحدود ہے نفس نئی نئی چیزوں کی خواہش کرتا رہتا ہے اور انسان کی باطنی صلاحیت اس کے ہر خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کے لئے جدو جہد میں لگی رہتی ہے ان دونوں کے اشتراک سے نئی نئی ایجادات اور نئے علوم وجود میں آ رہے ہیں۔ اس طرح انسان تسخیر و ایجاد کا سفر جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آئی کہ حیات ارضی کے لئے نفس کا وجود ناگزیر ہے کہ اللہ کی محبت اور اطاعت کے لحاظ سے روح اور نفس کے رجحانات میں صریح تضاد ہے روح اپنے ربّ کو پہچانتی، اس سے محبت کرتی اور اس کے ذکر سے اطمینان اور قوت حاصل کرتی ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ روح فرشتوں کے خصائل کی حامل ہے اور اس کے برعکس نفس کی سرشت میں بغاوت اور شرارت ہے اس کی محبت اپنے حقیقی مالک کی بجائے مادّے اور اس سے متعلقہ حیوانی لذات یعنی کھانے، پینے، آرام و راحت اور جنسی خواہشات پر مرکوز ہوتی ہے گویا نفس میں بہیمیت یعنی درندوں اور حیوانوں کی سی عادات ہوتی ہیں۔ اس صورت حال میں انسانی روح کا کمال یہ ہے کہ اپنے اس ساتھی کی خوبیوں سے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کے بہکاوے میں آ کر دنیا کی لذات میں نہ کھو جائے بلکہ نفس پر اثر انداز ہو کر اسے بھی اللہ کی محبت سے آشنا کرے اور اس کی سرکشی چھڑوا کر اطاعت اور بندگی کی راہ پر لگا لے۔ اگر ایسا ہو جائے تو انسان کامیاب ہو جائے گا ورنہ وہ اس آزمائش میں ناکام قرار دیا جائے گا اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

انسان کا حقیقی دشمن شیطان بھی اپنے وار نفس کے توسط سے ہی کرتا ہے۔ اگر یہ گھر کا بھیدی اصلاح پذیر ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرے تو شیطان کے حملے بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔

شیطان اور نفس کا اللہ کی راہ سے روکنے کا کردار بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔
یہ بات یاد رکھیں کہ قوت ہمیشہ رکاوٹوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی اور نہ ہی کوئی اپنی ترغیب وتحریص میں پھنسا کر گمراہ کرنے والا موجود ہوتا تو نیکی پر چلنے میں انسان کا کیا کمال ہوتا۔ سبھی انسان ایک ہی طرح کے ہوتے نہ کوئی اچھا، نہ برا، نہ مومن، نہ کافر، نہ موسیٰ علیہ السلام، نہ فرعون، نہ ابراہیم علیہ السلام، نہ نمرود، نہ جنت، نہ دوزخ کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان کی فضیلت اور انسانی مرتبہ کا دارومدار شیطان کے مکروفریب کے جال کو توڑنے اور مادی لذات وشہوات کو ٹھکرا کر اللہ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر بڑھتے چلے جانے میں ہے۔ اللہ کی محبت میں نفس کی خواہشات توڑ دینے سے انسان کو بے پناہ روحانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایٹم کے ٹوٹنے سے بہت سی توانائی خارج ہوتی ہے۔ دونوں جہان کی رونقیں حق اور باطل کی طاقتوں کے درمیان حریفانہ کشمکش کی وجہ سے ہیں انسان کی پرکھ اس کی سوچوں کی وجہ سے ہوتی ہے نفس کی خواہشات اچھی بھی ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار، حضور نبی کریم ﷺ کی محبت، مخلوق خدا کی خدمت اور اللہ کی راہ میں شہادت کی خواہشات کس قدر نیک اور عظیم ہیں۔ تزکیہ نفس یہی ہے کہ خواہشات کا رخ بدل دیا جائے نہ کہ خواہشات کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۵ میں وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ کے الفاظ جن کے معنی ہیں "اپنے نفس میں اپنے ربّ کا ذکر کر" سے یہی مقصود ہے کہ انسان میں بھی اللہ کے قرب کی خواہش بیدار ہو جائے۔ نفس کی طاقت کا صحیح سمت میں لگ جانا ہی راہ سعادت ہے ایک طاقتور نفس کی قوت جس راہ پر چل پڑے، اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

کہ تم میں سے جو کفر میں سب سے آگے تھے وہ دین میں بھی آگے ہیں۔ ایک ایسا ہی دلیر شخص جب کفر کی حالت میں تھا تو شیطان کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا ادھر اللہ کے رسول ﷺ کی حقیقت شناس نظر اسی بہادر جوان کو دین کی نصرت کیلئے منتخب کر چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی کہ اے اللہ! عمر کے ذریعے اپنے دین کی مدد فرما۔ یعنی اس سرکش او رتند و تیز طوفان کا رخ اسلام کی خدمت کی طرف پھیر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا قبول فرمائی تو وہی عمرؓ جو مراد رسول تھے الفاروق اور شاہکار رسالت بن گئے ان کی ایمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس راستے سے عمر گزر رہا ہو، شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ذرا غور فرمایئے! اللہ تعالیٰ نے جہاں بے شمار چیزیں انسان کی خدمت میں لگا رکھی ہیں وہاں ہوا، حرارت، مقناطیسیت، بجلی او رایٹمی توانائی بھی پیدا کر رکھی ہیں۔ لیکن ان سب کے استعمال میں بھی بڑے خطرات کا خدشہ ہوتا ہے ان سے کام لینے کے لئے بڑی احتیاط برتنا پڑتی ہے کیوں کہ ذرا سی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بجلی کی قوت پر غور کریں کہ انسان اس سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لے رہا ہے۔ اس کے مہلک خطرات کا علم ہونے کے باوجود خود درخواستیں دے کر اور پلے سے اخراجات ادا کر کے اپنے گھروں میں اس کے کنکشن لگواتے ہیں کیوں کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں لیکن بجلی کی یہ طاقت فطرت کی دوسری طاقتوں کی طرح بڑی بے رحم اور بے لحاظ ہوتی ہے اور اپنے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ نفس بھی ایک توانائی ہے وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں اس کو سمجھنے یعنی عرفان نفس حاصل کرنے کے بعد اسے استعمال کرے گا وہ اس کے شر سے محفوظ رہ کر اس کی قوت سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

اسی طرح شر کی قوتوں کے سالار اور انسان کے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق اللہ کی ذات پر توکل مضبوط زرہ اور کثرت ذکر وہ نا قابل تسخیر قلعہ ہیں جو مومن کو ابلیس اور اس کے لشکروں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایسے مومن اس دشمن سے خوف زدہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی تائید و

نصرت کے بھروسہ پر اس کے لشکروں کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں۔ شیطان اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے اور وہ ہر وقت اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور سیدھے راستے سے ہٹانے کا کام لگا رکھا ہے۔ اور وہ اسے پوری تندہی کے ساتھ انجام دے رہا ہے اور ہمیں ان رکاوٹوں کو دور کر کے اپنے قرب کے مقام تک پہنچنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس طرح ابلیس بھی اپنی سرکاری ڈیوٹی میں لگا ہوا ہے اور اس رزم گاہِ حیات میں اس کے وجود کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ دوسرے عارفان حق کی طرح محرم راز درون میخانہ یعنی حضرت اقبالؒ نے بھی ابلیس کی اہمیت کے اظہار کیلئے بال جبریل میں ایک نظم جبریل و ابلیس کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں حضرت جبرائیلؑ ابلیس کے طرز عمل پر اظہار افسوس کرتے اور اسے توبہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں ابلیس اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہے میری جرأت سے مشت خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو ؟
خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط ! اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو

# نفس کشی یا اصلاح نفس

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس میں دنیوی اور اُخروی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جب انسان اس دنیا سے واپس جائے گا تو صرف روح ہی واپس نہیں لوٹے گی بلکہ نفس بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ قرآن تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسان اپنے مادّی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ جب یہ حقیقت بتا دی گئی ہے کہ نفس اور جسم آخرت کی زندگی میں کام آنے والے ہیں تو انہیں مار ڈالنے اور اذیتیں دینے کی تعلیم کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جن مذاہب نے کسی غلط فہمی کی بناء پر آخرت میں صرف روح کی زندگی کو تسلیم کیا انہوں نے نفس اور جسم کو نظر انداز کر دیا۔ ان کے نزدیک نفس اور جسم کو جتنی زیادہ تکلیف دی جائے اتنی ہی زیادہ روحانی ترقی ملتی ہے۔ ایسے مذاہب میں روحانیت کے متلاشی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کا رُخ کرتے اور اپنے جسموں کو مسلسل فاقوں اور اذیتوں سے ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ وہ نفس کشی کی جاں گسل اور طویل ریاضتوں کے بعد روحانی طاقت کے بل بوتے پر چند شعبدے دکھانے پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ رہبانیت کی راہ انسان نے خود اختراع کی ہے کیوں کہ یہ زندگی کے حقائق سے فرار کا راستہ ہے اور انسان کی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ اللہ کا کامل دین دنیا اور آخرت کی زندگی کے حقائق بیان کرتا ہے اور وہ راستہ

دکھاتا ہے جس پر چلتے ہوئے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے ۔اسلام میں اس لیے رہبانیت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور طہارت ،تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے مناسب تعلیم دی گئی ہے تا کہ انسان مکمل کامیابی سے ہم کنار ہو سکے ۔قرآن کریم میں نفس کے بارے میں جو متعدد آیات نازل ہوئی ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف دو آیات نقل کرتے ہیں:

﴿یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (الزخرف:۷۱)

''جنت میں ان پر سونے کی رکابیوں اور پیالوں کا دور چلے گا اور وہاں ہوں گی وہ چیزیں ،جس کی نفس خواہش کریں گے اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہو گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔''

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (الانبیاء:۱۰۲)

''اہل جنت جہنم کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے اور وہ نفسوں کی تسکین اور لطف سامان میں ہمیشہ رہیں گے۔''

نفس کی اہمیت کے پیش نظر دین حق میں نفس کشی کی بجائے اصلاح نفس کی تعلیم دی گئی ہے تا کہ نفس کی قوت سے فائدہ اٹھایا جا سکے اگر چہ نفس کا رجحان دنیوی لذات کی طرف ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں تو یہ کارآمد بن سکتا ہے قرآن کریم میں نفس کی فطرت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (یوسف-۵۳)

''(یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا کیوں کہ نفس برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کر دے۔بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔''

انسان تو اپنی عقل وحکمت سے خونخوار درندوں سے ان کی وحشت اور درندگی والی عادات چھڑوا کر اپنے ساتھ مانوس کر لیتا ہے یہاں تک کہ شیر اور ہاتھی جیسے جانور اس کی اطاعت کرتے اور اس کے اشارے پر مختلف کرتب کر کے دکھاتے ہیں ۔اس طرح نفس کی درندگی بھی دور کی جاسکتی ہے۔اس سے مطلوبہ کام لیے جاسکتے ہیں ۔نفس کی اصلاح اور تربیت کا پورا نظام ہے اور یہ دین کا نہایت ہی اہم حصہ ہے ۔اس سلسلے میں اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے مردان حق اور اہل دل حضرات کی صحبت کیمیاء کا اثر رکھتی ہے ۔مومن جب اللہ کو اپنا مالک ،معبود اور محبوب تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہو جاتا ہے ۔نماز کی پابندی اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ذکر کی برکت سے اس کی روح بیدار ہو جاتی ہے اور اس کا قلب مطمئن ہونے لگتا ہے ۔قلب کی کیفیات کا اثر نفس پر بھی پڑتا ہے اور اس میں بھی اپنے خالق کی اطاعت کا ذوق پرورش پانے لگتا ہے اللہ کا ذکر استقامت کے ساتھ جاری رکھا جائے تو نفس اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی گزشتہ شرارتوں اور سرکشی کی روش پر پچھتانے لگتا ہے اور اپنے آپ پر ملامت کرنے والی اس کیفیت میں اسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے ۔روح اور نفس کے ملاپ کے نتیجے میں ان دونوں کا اثر قبول بھی کرتا ہے وحی الٰہی کا نزول بھی انبیاء علیہم السلام کے قلب پر ہی ہوتا ہے ۔اللہ والے فقیر اور اولیائے کرام اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں اور عقیدت مندوں کی اصلاح ان کے دلوں پر توجہ کرنے سے کرتے ہیں ۔قرآن کریم میں دلوں کے ٹیڑھا اور بیمار ہو جانے کا بھی ذکر آیا ہے جب ایسا ہو جائے تو پھر نفس بالکل ہی بے لگام درندہ بن جاتا ہے کیوں کہ قلب کی طرف سے اللہ کی محبت کا کوئی پیغام اسے نہیں ملتا ۔انسان جب اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو دل مردہ ہو جاتا ہے ۔اس طرح روح کو اس کی غذا ملنی بند ہو جاتی ہے تو وہ بھی

بیماراور کمزور ہوکر مردہ کی مانند ہوجاتی ہے ۔اگر نماز کی پابندی، ذکر پر مداومت، صالح اعمال اور تسلیم ورضا کی راہ پر مومن آگے بڑھتا چلا جائے تو قلب منور ہوتا چلا جاتا ہے ۔اس کے زیر اثر نفس بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پوری طرح قبول کرلیتا ہے اور اپنی قوت کو نیکی کے کاموں میں صرف کرنے لگتا ہے ۔جو نفس اس مقام پر پہنچ جائے اسے نفس مطمئنہ کا خطاب عطا ہوتا ہے اس حالت میں اللہ کی رحمت اسے قبول کر کے اپنی رضا میں داخل کر لیتی ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً O فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ O وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰)

" (نیک روح سے خطاب ہوگا) اے نفس مطمئنہ! اپنے ربّ کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

دیکھئے وہی نفس جو برائی کی ترغیب دینے والا تھا نیک رجال اور صالح اعمال کی بدولت بتدریج اصلاح پذیر ہوتا ہوا اللہ کی جنت میں داخل ہونے کے قابل بن گیا ۔حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ "شیطان ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے ۔اس پر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اسے مسلمان بنالیا ہے"

ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ یہ حضور سید الانبیا ﷺ کا فرمان ہے اور یہ انسانیت کی معراج کہ اپنے نفس کی اصلاح کر کے اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگالیا جائے ۔یہ بات بھی یاد رہے کہ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو مار دیا ہے ۔بہت سے صوفیائے کرام

کے تذکروں میں ملتا ہے کہ انہوں نے نفس کی بہت مذمت کی اور نفس کشی پر زور دیتے رہے اور اپنے نفس کی مخالفت میں بہت شدت کے ساتھ مجاہدے کیے۔اس سے ان کی مراد نفس کو کلی طور پر ماردینا نہیں ہوتا اور نہ یہ مر سکتا ہے بلکہ اس سختی سے ان کا مقصود نفس کی سرکشی اور بغاوت کا مکمل خاتمہ کرنا ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام بن کر جہنم کا ایندھن نہ بنے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو کر اس کے بندوں میں شامل ہو کر جنت کا مستحق بن جائے۔جب نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کی خواہشات اور آرزوؤں کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی ساری قوت اللہ تعالیٰ کے فضل ورضا کی جستجو اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے وقف ہو جاتی ہے،اس طرح یہ انسان کا بہت اچھا دوست ثابت ہوتا ہے سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

الف ایہو نفس اساڈا بیلی جے نال اساڈے سدھا ھو

جو کوئی اس دی کرے تباہی اس نام اللہ دالدھا ہو

یعنی اگر یہ نفس ہمارے ساتھ سیدھا ہو جائے اور مخالفت ترک کر کے اطاعت میں لگ جائے تو پھر یہ ہمارا مددگار بن جاتا ہے جو اپنے نفس کے شر کو تباہ کر دے صرف اسے ہی اللہ کا نام اور پیار ملتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک فرمان نفس کشی یا اصلاح نفس کے ضمن میں نہایت جامع و نافع ہے۔مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۱۴۱ میں درج ہے کہ ”جاننا چاہیے کہ نفس مطمئنہ ہونے کے باوجود اس کی صفات باقی رکھنے میں بڑے فائدے ہیں۔اگر نفس کو بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روکا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے کیوں کہ ترقی کا حاصل

ہونا نفس کی مخالفت کے باعث ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہی تو ترقی کیسے ہوگی۔''

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کرتے اور اس کی اصلاح کے لیے آپ نے بہت کٹھن ریاضتیں کیں اور اللہ کے مقربین میں شامل ہوئے۔ روحانی کیفیت اور مراقبے کے دوران جب آپ کی روح اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقامات کی طرف عروج کرتی تو راستے میں فرشتے ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن حضرت صاحب نے اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کی میں نے اپنے نفس کو شدید مجاہدہ سے بالکل بے جان کر دیا ہے اس کی سرکشی ختم ہوگئی ہے اور اب یہ بے کار ہو گیا ہے اس لیے آپ اسے نکال ہی دیں اس پر انہوں نے روحانی طور پر دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا بدصورت جانور ان کے جسم سے نکل کر بھاگ گیا ہے اگلی مرتبہ آپ کو اللہ کے قرب کے لیے روحانی پرواز نصیب ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ اس مرتبہ فرشتوں نے آپ کی پرواہ ہی نہیں کی جب آپ واپس لوٹے تو فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ پہلے تو آپ میرے اکرام میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے کیا وجہ ہے کہ آج کسی نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اس پر فرشتوں نے جواب دیا کہ جس شے کی وجہ سے آپ کو ہم پر فضیلت حاصل تھی اور ہم آپ کا احترام کرتے تھے وہ تو آپ نے نکلوا ہی دی ہے اب ہم میں اور آپ میں کوئی فرق ہی نہیں رہا تو اکرام و احترام کیسا؟

# دین ایک ہی ہے (اللہ کا دین)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس مقصد کے لیے پیدا فرمایا اس کی یاد دہانی کرانے اور منزل مقصود تک پہنچانے والے صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرنے کا انتظام بھی فرمایا۔ اسی غرض سے ہر قوم کی طرف اللہ کے رسول آئے اور انسانوں کو اللہ کے اقتدار اور الوہیت والے نظام میں داخل ہونے اور اسی کی بندگی اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتے رہے تاکہ وہ اپنی تخلیق اور حیات ارضی کی غرض و غایت سے آگاہ ہو کر متاع دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی زندگی کو مقدم جانیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے اور خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر انتخاب عمل کا اختیار خود عطا کر رکھا ہے اس لیے اس پر اپنی اطاعت جبراً مسلط نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانیت اس آزادی کا استعمال کرتے ہوئے دو گروہوں میں بٹی چلی آ رہی ہے جو لوگ اللہ کے وجود یا اس کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنی من مانی زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں انہوں نے گویا اپنے نفس اور ہوا و ہوس کو اپنا معبود اور الٰہ بنا لیا اور اپنی خواہشات کی غلامی کا نام آزادی رکھ لیا۔ اس انداز فکر سے ایک پورا نظام زندگی جنم لیتا ہے اور اسے کفار کا دین کہنا درست ہوگا جیسا کہ سورہ کافروں میں کفار سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا گیا:

**لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ** یعنی تمہارا دین تمہارے لیے اور میرے لیے میرا دین۔

جو دین اللہ نے دیا ہے اسے قرآن کریم دین اللہ کا نام دیتا ہے۔اس طرزِ حیات اور نظامِ زندگی کا رہنما اصول اللہ کا اقتدار اور الوہیت ہے۔اس نظام کو قبول کر لینے والی ہر چیز سیدھے راستے پر گامزن رہتے ہوئے اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔زمین و آسمان، سورج، چاند، ستارے اور دیگر تمام نباتات و جمادات چونکہ آزادیٔ عمل سے محروم ہیں اس لیے وہ اللہ کے احکام سے انحراف کر ہی نہیں سکتے۔وہ اللہ کی تقدیر کی جبری پابندی کرتے ہوئے اپنی تخلیق کی غرض و غایت صحیح طور پر پوری کر رہے ہیں۔انسان چونکہ صاحبِ ارادہ ہے اس لیے اسے جبری تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے لیے دعوت الی اللہ کا انتظام ہے تاکہ یہ اپنے ارادے سے اس نظام میں داخل ہو کر اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کا پابند بنا کر فلاح پائے۔انسان کی کامیابی اور درجات کا دارومدار اللہ کے احکام کی رضا کارانہ اطاعت پر ہے۔بقول علامہ اقبالؒ:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

انسان اگر اپنے چاروں طرف بلکہ اپنے اندر نظر دوڑائے تو اسے دکھائی دے گا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔چونکہ اسلام کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ کائنات کی ہر چیز مسلم ہے گویا اسلام پوری فطرت کا دین ہے جو انسان اللہ کے آئین کے سامنے سر جھکا دے وہ بھی فطرت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے دین سے انحراف کرے وہ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔تمام انبیاؑ نے یہی تعلیم دی کہ اللہ کے دین میں داخل ہو کر مسلم بن جاؤ، کیونکہ جو اپنے خالق اور مالک کی اطاعت والے دین یعنی اسلام کے علاوہ کسی باطل نظام کی پیروی کرے گا تو اس کے اعمال ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے۔قرآن مجید فرقان حمید میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا وَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ o قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ o وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران:۸۳_۸۵)

”کیا یہ کافر اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں حالانکہ سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کی اطاعت میں جھک گئے۔ اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اُن کی اولاد پر اُترے اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو ان کے ربّ کی طرف سے ملیں، سب پر ایمان لائے۔ ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔“

اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق اور اسی کی مطیع ہے حقیقی مطاع صرف اللہ کی ذات ہے جو انسان اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی دوسری ہستی کی عبادت کا خیال دل میں لائے تو اسے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہستی تو بذات خود اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا محتاج و مجبور ہے جو ہستی مخلوق ہے وہ معبود ہو ہی نہیں سکتی۔ انسان کے لیے یہ شرف و عزت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کی تعلیم دے کر غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے کی ذلت سے بچالیا ہے قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کا ایک قول جمیل درج کیا گیا ہے:

''میں اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے طریقہ پر چلتا ہوں، ہمیں شایان نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ احسان ناشناسی کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کی تعلیم کے بنیادی اصول ایک ہی تھے۔اللہ کے دین کی بنیاد یں عقل وخرد کے تراشے ہوئے مفروضوں پر نہیں بلکہ یہ اٹل حقائق پر استوار ہے، جسے اپنا کر ہر دور میں بنی نوع انسان نے کامیابی حاصل کی اور آئندہ بھی اس کی فلاح ونجات اس کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ خالق کائنات کا عطا کردہ دستور حیات ہے جس پر عمل کرنے سے انسان اپنی زندگی کا مقصود حاصل کرسکتا ہے۔اللہ کا دین محض رسمی عبادات یا اوراد و وظائف کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہے اور انسانی سرگرمیوں کا ایسا پہلو نہیں ہے جس پر مکمل ہدایات مہیا نہ کرتا ہو اسی لیے میری رائے میں ''دین و دنیا'' کی مروجہ اصطلاح ہی بنیادی طور پر غلط ہے اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی پوری زندگی بسر کرنے کے لیے جو آئین اللہ تعالیٰ نے عطا کیا اسے اللہ کا دین کہتے ہیں قرآن کی تعلیم کے مطابق انسانی سرگرمیوں کو دنیا اور دین کے خانوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے اس لیے دین و دنیا کی اصطلاح کہیں بھی استعمال نہیں کی گئی ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ بچوں کی پیدائش پر کان میں اذان، عقیقہ اور ختنہ کی ہدایت، ان کی رضاعت کے مسائل، بچوں کی تعلیم و تربیت، والدین، بیوی بچوں، رشتہ داروں، ملازموں اور ہمسایوں سے حسن سلوک، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، نہانے دھونے اور میل ملاقات کے آداب، انفرادی اور بین الاقوامی تنازعے نمٹانے کے طریقے، شادی بیاہ، حیض ونفاس اور خلع وطلاق کے

مسائل، کسبِ حلال اور انفاقِ زر کے لیے ہدایات، معاشرتی جرائم پر سزاؤں کا تعین بین الاقوامی دوستی، دشمنی اور صلح و جنگ کے قوانین، موت کی رسومات اور کفن و دفن کے احکامات اور میت کی جائیداد کی تقسیم کے بارے میں تفصیلی ہدایات یہ سب دین ہے تو پھر دنیا کیا ہے؟ دنیا اس زندگی یعنی حیاتِ ارضی کا نام ہے اور اسے اللہ کے دین کے تحت بسر کرنا کامیابی کی ضمانت ہے اور عقلِ ناقص کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق گزارنا دنیا و آخرت میں باعثِ خسران ہے۔

اس لیے دین اور دنیا ایک دوسرے سے مختلف یا متضاد ہرگز نہیں ہیں۔ البتہ دنیا اور آخرت یعنی موجودہ زندگی اور قیامت کے بعد والی زندگی یہ دونوں ایک دوسرے کے متقابل ہیں۔

انسان کی کامیابی یا نامرادی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے یا اسے بھول کر دنیا کی محبت میں کھو جاتا ہے۔ اللہ کا دین بجا طور پر آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ والی زندگی کو ترجیح دینے کا مطالبہ کرتا ہے لیکن دنیا کی زندگی کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کرتا بلکہ دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تلقین کرتا اور اسے یقینی بنانے کے لیے ضروری احکامات نافذ کرتا ہے۔ اللہ کا دین ایک ہی رہا ہے اور انہی اٹل حقائق کی تلقین کرتا رہا ہے اللہ کے سارے رسولوں کی دعوت بھی مشترکہ تھی۔ وہ لوگوں کو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کے دین کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتے رہے اور آخرت کی زندگی میں صالحین کے لیے جنت اور انعام و اکرام کی بشارت سناتے اور مجرموں کو عذاب سے ڈراتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء۱۶۵)

"اللہ نے بھیجا رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ پر حجت کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

یعنی کوئی انسان قیامت کے دن یہ بہانہ نہ تراش سکے گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود اور آخرت کی زندگی کے بارے میں کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول ایک مقدس گروہ کی مانند ہیں جنہوں نے انسانوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔ انہوں نے اپنی قوموں کو اللہ کے احکام کا پابند یعنی مسلم بننے کی دعوت دی۔ ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام'' سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے ہاں دین کی حقیقت یہی ہے کہ اس کے دیئے ہوئے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ اللہ کے ہر رسول نے جب اپنی امت کو قبولیت دین کی دعوت دی تو ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ''اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن'' یعنی سب سے پہلا اطاعت گزار اور مسلم اول میں خود ہوں۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ دین کو اپنا آئین حیات تسلیم کر لینے والے نیک لوگ جس دور میں بھی تھے اللہ کے آئین کے مطابق ازل تا ابد تمام مسلمانوں میں اخوت کا رشتہ ہے ہر نبی کی امت گزشتہ رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کی پابند ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں آخری رسول ﷺ کی امت کو بھی یہی حکم فرمایا ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۳۶)

''اے اہل ایمان! آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اور جو کچھ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوا اور جو دوسرے انبیاء کو اُن کے ربّ کی طرف سے ملا، سب پر ایمان لائے ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے تابع فرمان ہیں یعنی مسلم ہیں۔''

صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا اور تمام انبیاء اور ان کی تعلیم میں

نہ فرق جانے کا اعلان ایک ایسا منشور ہے جو گزشتہ انبیاء کی امتوں اور دوسرے تمام انسانوں کو اشتراک فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے چونکہ تمام انبیاء کی تعلیم کا لب لباب ایک ہے اور اس کا مقصود پوری انسانیت کی دنیوی اور اخروی فلاح ہے اس لئے اللہ کا دین تمام تفرقوں کو مٹا کر وحدت آدمیت کی دعوت دیتا ہے۔ ہر سلیم الطبع انسان اللہ کی حاکمیت کے اصول کو تسلیم کر کے اتحاد عالم کی اس دعوت پر لبیک کہے گا۔ اللہ کے دین میں اللہ کی حاکمیت اور اس کی اطاعت و محبت کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اور یہ اصول اتحاد آدمیت کے لیے فطری بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ مرکزیت فرقوں اور مسلکوں کے بانیوں کو دے دی جاتی اور شرک کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے یہی بات وحدت امت اور وحدت انسانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَّالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللَّهُ يَجْتَبِيٓ إِلَيْهِ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

**ترجمہ:** ''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جسکے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سے راستہ دکھاتا ہے۔''

اللہ کے دین کے اصولوں میں کبھی بھی کوئی بھی اختلاف نہ تھا کیوں کہ سارے انسانوں کی فطرت ایک جیسی ہے سب کی زندگی کا مقصد بھی ایک ہے تو ان کے لیے قانون بھی

ایک جیسا ہی ہونا چاہیے جب کہ اس قانون اور آئین کو بنانے والی ہستی بھی ایک ہی ہو۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

مختلف اُمتوں کے لیے دین عالمگیر اصولوں کی تعمیل کے طریقے میں تھوڑا بہت فرق ضرور رہا ہے شریعتوں کا یہ فرق مختلف ادوار کے انسانوں کے ذہنی اور روحانی مدارج، تہذیب وتمدن، معاشرتی زندگی اور ماحول کے فرق کی وجہ سے ناگزیر تھا۔لیکن دین کے اصول ہر دور میں قائم رکھے گئے ۔سب سے پہلا اصول جو کہ اللہ کے دین کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے چنانچہ از آدمؑ تا پیغمبر آخر واعظم ﷺ کلمہ طیبہ لا الہٰ الا اللہ دین کی دعوت کا رہنما اصول رہا ہے اس کے بعد دوسرا اصول یوم آخرت پر ایمان ہے ۔چنانچہ انبیاءؑ کی تعلیم کو ماننے والی ہر امت عقیدہ آخرت پر لازماً یقین رکھتی ہے ۔اس طرح اللہ کے سامنے اظہار عبودیت کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت پر ایمان کو تازہ رکھنے کے لیے ہر امت پر نماز یا روزانہ عبادت کسی نہ کسی صورت میں فرض قرار دی گئی ۔نفس کی خواہشات کو احکام الٰہی کا پابند رکھنے کے لیے ہر دور میں روزے کا حکم بھی دیا گیا اور اللہ کی مخلوق کی اصلاح وخدمت کے لیے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کو ہر دور میں اللہ کے قرب کا وسیلہ بنایا گیا ہے ۔یہ تمام اعمال اللہ کے دین کے تحت گزارنے والی زندگی کے ستون ہیں اور انہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے ۔

❖❖❖

# دین کی تکمیل

کرۂ ارض پر انسان کے ظہور کے بعد جب آبادی بڑھ گئی تو سب کے لیے ایک جگہ اکٹھا رہنا ممکن نہ رہا کیوں کہ کسی ایک جگہ کے وسائل پوری آبادی کی کفایت نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ پانی اور دیگر قدرتی وسائل کی تلاش میں نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح آبادی کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور مہاجرت کے عمل کے نتیجے میں انسان کرہ ارض پر پھیل گیا۔ ابتدائی دور میں چونکہ ذرائع آمد و رفت مفقود تھے اس لیے انسانی آبادیاں ایک دوسرے سے کٹی ہوئی تھیں آپس میں میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ہر آبادی کا رہن سہن، بول چال اور طرز بود و باش بھی دوسروں سے مختلف ہو گیا۔ ایک دوسرے سے جدا ان معاشروں میں جو خرابیاں جنم لیتیں ان کی نوعیت بھی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ان حالات میں انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے ہر بستی کے لیے علیحدہ علیحدہ پیغمبر مبعوث ہونا وقت کی ضرورت تھی۔ قرآن کریم کا بیان ہے اللہ نے ہر قوم کے لیے ان کے اندر ہی سے نبی بنائے اور یہ بھی بتایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ (ابراہیم:۴)

یعنی اس رسول پر اترنے والا اللہ کا کلام اسی زبان میں ہوتا تھا جو زبان اس کی قوم بولتی تھی اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر انسان تک اپنا پیغام واضح طور پر پہنچانے کے انتظامات کر دیئے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ چلتا رہا۔ بعض اوقات ایک ہی قوم

میں کئی کئی نبیوں کو مبعوث فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اس زمانے اور قوم کے حالات کے مطابق انہیں انجیل عطا فرمائی گئی انکے بعد حالات پھر بگڑنے لگے اور چند صدیوں کے بعد نفس کی خواہشات اور ہوا و ہوس کی ظلمات نے دین کی حقیقت کو پوری طرح ڈھانپ لیا اور انسانیت پھر ایک مرتبہ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوب گئی ۔سلسلہ نبوت کے اس طویل دور میں جو کتابیں انبیاؑ پر اتاری گئیں وہ زمانے کے حالات، حفاظت کے لیے وسائل کی عدم موجودگی اور تحریف ہوجانے کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں یہی وجہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کے پیروکاروں کا کوئی بھی گروہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کے پاس اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب اپنی اصل شکل اور ابتدائی متن کے ساتھ موجود ہے نہ ہی ان انبیاء میں سے کسی کے مستند اقوال اور حالات زندگی اس وقت دستیاب ہیں جو انسانوں کو عملی راہنمائی مہیا کرسکیں۔

اس کے باوجود گزشتہ پیغمبروں کی تعلیم کے کچھ اثرات ان کی قوموں میں باقی رہے خالق کائنات کے وجود پر ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا اعتقاد اور خیر و شر کے کچھ اصولوں کی پابندی کسی نہ کسی صورت میں بہر حال موجود رہی ۔بنی نوع انسان کی لاکھوں برس پر پھیلی ہوئی زندگی میں ایک لاکھ اور کئی ہزار پیغمبر راہنمائی کے لیے تشریف لائے ۔ان کی تعلیم اور محنت کے نتیجے میں نسل انسانی آہستہ آہستہ شرک اور توہم پرستی سے نکل کر توحید کی طرف اور جہالت کو ترک کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھتی رہی ۔حتیٰ کہ قدم قدم روشنی کا یہ سفر طے کرتی ہوئی بچپن اور لڑکپن کے ادوار سے گزر کر سن بلوغ کو پہنچ گئی ۔اسکے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا ۔دنیا میں مواصلات اور نقل و حمل کی نئی نئی ایجادات کے وجود میں آجانے کی وجہ قوموں اور ملکوں میں پائی جانے والی جغرافیائی اور ذہنی دوری بھی کم ہونے لگی تھی اور کرہ ارض پر بکھری ہوئی آبادی اب گمنامی کے اندھیروں اور علاقائی سوچوں سے نکل کر باہمی رابطوں کی وجہ سے ایک وحدت

مبنی نظر آ رہی تھی ۔ذرائع ابلاغ اس سطح پر پہنچ چکے تھے کہ کسی ایک ہی شریعت کا تمام انسانوں تک پہنچنا ممکن ہو گیا تھا ۔انسانیت کی ذہنی بلوغت اور زمانے کے سارے حالات اب اس امر کے متقاضی تھے کہ اب ایک ایسا دستورِ حیات عطا ہو جو پوری انسانیت کے لیے کافی ہو اور اس کے بعد کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت باقی نہ رہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک بچے کے لیے ہر سال نئے ناپ کا لباس تیار کرنا پڑتا ہے اور وہ اس کی ضروریات کے عین مطابق اور اس کے قد و قامت پر پورا اترتا ہے لیکن جب وہ جوان ہو جاتا ہے اور اس کے قد کاٹھ میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے تو بچپن کی عمر کا کوئی بھی لباس اس کے جسم پر پورا نہیں آتا ۔لیکن اب جو لباس اس کے لیے پورے ناپ کا تیار کیا جائے گا اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی اور وہ ہر عمر میں استعمال کیا جا سکے گا۔

پوری انسانیت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لئے اللہ رحیم و کریم کی رحمت جوش میں آ گئی اور بنی نوع آدم سے اپنی بے پایاں محبت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید نازل فرمائی ۔اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور قرآن کریم دونوں کو تمام انسانوں کے لیے بھیجا اور سب جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔

﴿ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا یعنی اُس کا رسول ہوں''

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (سبا : ۲۸)

**ترجمہ**: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء : ۱۰۷)

**ترجمہ:** ”اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل : ۸۲)

”اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے“۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس : ۵۷)

”اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے“۔

قرآن کریم اور نبی رؤف و رحیم ﷺ گزشتہ تمام انبیاء کی نبوت اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب گزشتہ تمام انبیاء کی تعلیم کا احاطہ کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ اس وقت روئے زمین پر موجود یہ واحد کتاب ہے جو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں تمام جنوں اور انسانوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر تم اس کتاب کی صداقت پر شک کرتے ہو تو سارے مل کر قرآن کی مثل ایک کتاب بنا کر لے آؤ اور ساتھ ہی فرما دیا کہ تم ایسا کبھی نہ کر سکو گے۔ گزشتہ تمام انبیاءؑ کی تعلیم صرف اپنے اپنے محدود دور کے لیے تھی اس لیے اس کی حفاظت کا انتظام مستقل نوعیت کا نہ تھا۔ اللہ کی اس آخری کتاب کی تعلیم کو قیامت تک باقی رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ (الحجر : ۹)

**ترجمہ:** ”بے شک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محفوظ رکھنے والے ہیں“۔

اس کتاب مقدس کو انسانوں پر پہنچانے کے لیے بنی نوع انسان کے سالار اور انبیاءؑ کے سردار حضور رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب روز ازل ہی کیا جا چکا تھا۔ گزشتہ تمام انبیاءؑ آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔ توریت، انجیل اور ہندوؤں کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کے آنے کی پیش گوئیاں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین پر خود عمل کر کے رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لیے مثالی نمونہ پیش کر دیا اور تئیس برس کی لگاتار جدوجہد کے بعد اللہ کے دین کی بنیاد پر ایک مثالی فلاحی ریاست قائم کر کے دکھا دی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں جب قرآن کریم کی تعلیم میں ہر وہ چیز شامل کر دی گئی جس کی بنی نوع انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح اور مقصود حیات کے حصول کے لیے ضرورت پڑ سکتی تھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو بشارت دیتے ہوئے یہ اعلان فرما دیا:

﴿ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَ رَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا﴾

(المائدہ :۳)

”آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا“۔

جس دین کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے خود فرما دی اب اسے کسی اضافہ، کمی، ترمیم یا تبدیلی کی قطعی کوئی حاجت نہیں اور نہ ایسا کرنے کا کسی ہستی کو حق حاصل ہے۔ اس لیے حضور سید الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم کر دی گئی کیوں کہ جن وجوہات کی بنا پر نئے پیغمبر آتے تھے وہ تمام ختم ہو چکی تھیں۔ اب قیامت تک آپ ﷺ کا ہی دور نبوت ہے۔

# عالمگیر آئین

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کے لیے جو آخری پیغام قرآن کی صورت میں نازل فرمایا وہ ہر پہلو سے ایک کامل اور عالمگیر آئین ہے جو ساری نسل کی یکساں فلاح کا ضامن اور وحدت آدمیت کا علم بردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین کی بنیاد انفرادی، خانگی، نسلی یا قومی مفادات کی بجائے پوری نسل انسانی کی فلاح و بہبود پر قائم ہے۔ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی ایک قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی ساری اولاد آدم کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کے سوا کسی بھی دوسرے رسول نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی ہدایات کا آخری اور مکمل مجموعہ قرآن کریم وہ منفرد کتاب ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو ہدایت اور نور کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے یہ اعزاز بھی اللہ کی اس آخری کتاب کو حاصل ہے کہ اس میں خالق کائنات اپنی مخلوق سے براہ راست خطاب فرماتا دکھائی دیتا ہے۔

مکمل ہدایات پر مشتمل اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کو اس کی مرکزی حیثیت اور روحانی عظمت کا احساس دلا کر مادی قوتوں اور مظاہر فطرت کے خوف سے نجات دلائی۔ اس طرح انسان کو اپنے اردگرد موجود اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کی ترغیب او رجرات ملی۔ اس آئین کے

ذریعے یہ تعلیم دی گئی کہ پوری کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اور تمام انسانوں کا باپ ایک ہی تھا یعنی وحدت الوہیت اور وحدت آدمیت کا درس دیا گیا۔ اس طرح امن عالم کے سب سے بڑے دشمن رنگ و نسل اور وطنیت و قومیت کے بتوں کا قلع قمع کر کے وحدت انسانیت اور عالمگیر اخوت کی راہ دکھائی۔ نسلی اور پیدائشی فوقیت کے جھوٹے اصولوں کی بجائے ذاتی اہلیت اور کردار و اخلاق کی بلندی کو عزت و اکرام کا معیار بنانا سکھایا۔ اس دائمی شریعت کے قوانین کسی خاص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں بلکہ انسانوں کے ان جبلی تقاضوں اور فطری ضروریات پر مبنی ہیں، جو تبدیل نہیں ہوتے۔ اس شریعت میں انسان اور انسان کے درمیان بجز عقیدے اور عمل کے کسی اور چیز کی بنا پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا انسان بلا لحاظ رنگ و نسل اور قوم و زبان اس عالمگیر آئین کے اصولوں پر ایمان لا کر ماننے والے گروہ یعنی ملت اسلامیہ میں بالکل مساوی حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ دین اسلام میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ کا اصول کارفرما ہے جس کے مطابق سب سے زیادہ عزت و اکرام کا مستحق اسے سمجھا جاتا ہے جو اللہ کے آئین کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ اس میں انسانوں کو ظاہری قد کاٹھ اور دولت کے ٹھاٹھ باٹھ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور ایسا نظام وجود میں لایا جاتا ہے جس میں حکومت و امارت صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ہاتھوں میں رہے تا کہ لوٹ مار اور دولت جمع کرنے کے رجحان کی بجائے سادگی اور انسانیت کی خدمت کی روش کو فروغ ملے۔ ان فطری قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرتی مساوات، عدل و انصاف اور اسلامی اخوت پر مبنی جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں اس اعلیٰ طبقہ کے لیے دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ کسی خصوصی استحقاق اور مراعات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین میں ہر قسم کے

طبقات کوختم کر کے انسانی مساوات اور وحدت آدم کی راہیں ہموار کی جاتی ہیں ۔صرف خاص لوگوں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی بجائے پوری انسانیت کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے اسلئے یہاں درجہ بندیوں کے لیے گنجائش نہیں ہے ۔نہ مسجد میں، نہ مکتب میں، نہ ریل میں، نہ جیل میں، نہ چوپال میں، نہ ہسپتال میں حتیٰ کہ امیر مملکت کے لیے کوئی استثنیٰ نہیں ہے اور وہ بھی اپنے بھائیوں کے درمیان ایک عام شہری کی طرح زندگی بسر کرتا ہے ،کوئی شخص جو آج دائرہ اسلام میں داخل ہوا اس کے لیے بھی اسلامی معاشرہ میں وہی حقوق و مراعات ہیں، جو امیر المومنین کیلئے ہیں ۔

عورت جو زمانہ قدیم سے مردوں کے ظلم و ستم کا شکار چلی آتی تھی اس آئین کے تحت ایک قابل احترام ہستی قرار پائی ،اسے مردوں کے برابر معاشرتی حقوق مل گئے بلکہ ایک لحاظ سے اسے مردوں پر بھی فوقیت حاصل ہوگئی کیوں کہ پیدائش سے لے کر موت تک اسے نان ونفقہ کی فکر اور کسب رزق کی صعوبتوں سے آزاد کر کے اس کی کامل ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی ۔اس خصوصی حیثیت کے باوجود اسے اپنے باپ ،خاوند اور بیٹوں کی جائیداد سے باقاعدہ حصہ ملتا ہے ۔اسے اپنی جائیداد رکھنے اور ذاتی کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس پر کسی قسم کی مالی ذمہ داری ہرگز نہیں ہے ۔ہر انسان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالی کا کنبہ ہے اور سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے ۔

قرآن کریم میں انسانی خون کی حرمت اور جان کا تقدس اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ حکم فرمایا گیا کہ جس شخص نے ایک انسان کو قتل کر دیا وہ اللہ کے نزدیک ساری نسل انسانی کا قاتل ہے اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی وہ اللہ کے ہاں ایسا ہے جیسے ساری نسل انسانی کا محافظ ہو۔ اللہ رحیم و کریم کے دین رحمت میں تو حیوان اور پرندوں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے کی تعلیم

دی گئی ہے ۔جانورتو جانوراسلام میں درختوں کوبھی بلاضرورت کاٹنے اورنقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے ۔اللہ کا عطا کردہ آئین عالم گیرمحبت، اکرام انسانیت اورحسن معاشرت کاداعی ہے اوراپنے ماں باپ،قرابت داروں،یتیموں،بیواؤں، مسکینوں،پڑوسیوں،ہم سفروں اورکام کاج کے ساتھیوں کے ساتھ ہرقسم کےتعصب سے بالاترہوکرحسن سلوک کاحکم دیتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نےحسن معاشرت اورخوش خلقی کی اہمیت جتلاتے ہوئے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کرارشادفرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جسکے پڑوسی اسکے شرسے محفوظ و مامون نہ ہوں۔علامہ اقبالؒ کے زمانہ میں بین الاقوامی لڑائیاں جھگڑے نمٹانے کے لیے جمعیت اقوام بنائی گئی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا تھا۔علامہ اقبالؒ اس تنظیم کی خامیاں اوراسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام　　پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کامقصود　　اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام　　جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم ؟

اللہ کا دین صلح وآشتی،محبت ورافت،امن وسلامتی اوراصلاح وفلاح کاعلم بردار آئین ہے ۔اس میں جوعبادات فرض قراردی گئی ہیں،ان سے مقصود اللہ کی محبت اوراس کی مخلوق کی خدمت کےجذبہ کوہروقت تازہ رکھنا ہے تا کہ انسان مطلوبہ تربیت کے سانچوں میں ڈھل کرمثالی فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے قابل بن سکے ۔اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے یہ امرروشن ہو جائے گا کہ اللہ کا یہ آئین انسانوں کوکس رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اورکیا کوئی صحیح الفطرت سلیم الطبع انسان اس پاک وصاف اورنفع بخش تعلیم کی افادیت سے انکار کرسکتا ہے؟

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ : ۱۷۷)

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، روزِ آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں یتیموں محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اُس کو پورا کریں۔ سختی اور تکلیف میں اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے اور یہی لوگ متقین ہیں"۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام: ۱۵۱تا۱۵۳)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو! آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے ربّ نے تم پر حرام کی ہیں یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیوں کہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو

اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جس کی شریعت اجازت دے، ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔"

اللہ کا دین ایک عالم گیر لائحہ عمل ہے جو بنی نوع انسان کی پوری زندگی کو اس نہج پر منظم کرنا چاہتا ہے جس سے دنیا میں امن وامان اور اکرام انسان کا دور دورہ ہو اور سائنسی اور روحانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ جائے اور ساری ترقی کا مقصود خدمت خلق اور رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیابی حاصل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی تشریف آوری سے قبل پوری دنیا اخلاقی تنزل و انحطاط کی دلدل میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انسانوں کی خرید وفروخت کے لیے باقاعدہ منڈیاں لگتی تھیں۔ عورتوں کو انسانوں سے کم تر اور حقیر مخلوق جانا جاتا تھا اور اسے بھی اموال واجناس کی طرح خریدا اور وراثت میں منتقل کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ شراب جوئے، لوٹ مار اور قتل و غارت جیسے کاموں پر فخر کیا جاتا تھا۔ بادشاہوں، مذہبی راہنماؤں اور قبیلوں کے سرداروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائکہ بننے کا شرف عطا کیا، اس حد تک گر گیا کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں، چاند، سورج، ستاروں، جنگلی جانوروں اور آگ کے سامنے سربسجود ہونے کو معراج زندگی سمجھ بیٹھا۔ پوری انسانیت تفرقات،

امتیازات توہمات اور ظلم واستحصال کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔

حضور رحمت للعالمین ﷺ نے آ کر پورے عالم کو منور فرما دیا اور بنی نوع انسان کو ان بتوں سے نجات دلائی جو مفسدین اور متکبرین نے اس کی گردن پر ڈال رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے وحدت الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا درس دے کر انسان کی ذات کو مکرم و محترم بنا دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال میں جب فریضہ حج ادا فرمایا تو اس وقت پورا عرب آپ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کم و بیش ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے جس عالمگیر انسانی حقوق کے منشور کا اعلان فرمایا وہ رہتی دنیا تک مینارہ نور بنا رہے گا۔ اس مشکوۃ نبوت کی چند کرنیں مختصر اقتباس کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔

☆ لوگو! بے شک تمہارا ربّ ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے۔

☆ کسی بھی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب سے۔

☆ ہاں تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ

☆ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔

☆ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

☆ تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر باہم قیامت کے دن تک اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ مقدس دن اس مہینہ اور اس شہر میں محترم ہے۔

مجرم اپنے جرم کا آپ خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

# ملت ابراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کے دین کا اولین عقیدہ توحید ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کو بھی اپنا رب، الٰہ اور نفع ونقصان کا مالک تسلیم نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی ہستی کو اس کا شریک ٹھہرانا ظلم عظیم اور نا قابل معافی جرم ہے۔ تمام انبیا ءاللہ کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔

انبیاءؑ کی تاریخ میں حضرت ابراہیمؑ کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے آپ کو ابوالانبیاء یعنی نبیوں کا باپ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ آپ کے خانوادہ میں سے اکثر کو شرف نبوت سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو روحانی بادشاہت کے ساتھ ساتھ دنیوی تاج وحکومت سے بھی مشرف فرمایا۔ قرآن کریم میں آپ کے جس کردار کا خصوصیت کے ساتھ بار بار ذکر آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ شرک کی ہر آلائش سے یکسر پاک توحید کے عقیدہ پر قائم اور ہر طرف سے منہ موڑ کر خالق کائنات کی بندگی میں یکسو ہو گئے تھے۔ یہی تعلیم ان کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں کو وراثت میں ملتی چلی گئی۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بھی آپ ہی کی اولاد میں سے تھے اور انہوں نے بھی دین حق ہی کی تعلیم دی تھی۔ لیکن بعد میں ان کے ماننے والوں نے مسلم بنے رہنے کی بجائے اللہ کے دین میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کر کے تفرقہ پیدا کیا اور یہودی اور نصرانی گروہوں میں بٹ گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی عظمت کی بجائے اپنے اپنے فرقوں کی فضیلت کے

گن گانے لگے۔ ان کے نزدیک بنی نوع انسان کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح کا انحصار اللہ تعالیٰ کے اقرار، یوم آخرت پر ایمان اور اعمال صالح کی بجائے ان کے من گھڑت اور خود ساختہ عقائد پر ایمان لا کر یہودی یا نصرانی بن جانے پر ہو گیا۔ اس طرح اللہ کا سچا دین اور حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ خرافات کی دھول میں گم ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد تمام انبیاء کا ظہور آپ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہوا اور اس سلسلہ مبارکہ کی آخری کڑی حضرت عیسیٰؑ تھے۔ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہؑ دونوں نے مل کر کی تھی، اس دوران انہوں نے آنے والی نسلوں کے لیے اللہ سے دعا کی تھی کہ انہیں خاص اپنی مطیع اور تابع فرمان امت بنانا اور انہی میں سے انبیاء کے سردار اور رسول آخر الزماں ﷺ کا ظہور فرمانا۔ اس دعا کی قبولیت کے ثبوت کے لیے یہ لازمی تھا کہ اس خاص رسول ﷺ کا ظہور حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہی ہو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور انہی کی نسل سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور پر نور ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو حکم فرمایا کہ میرے دین کا حقیقی رنگ حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر نکھارا جائے اور یہ اعلان کرنے کی تلقین فرمائی کہ اللہ کی ہدایت یہودی اور نصرانی بننے سے نہیں بلکہ شرک سے پاک حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے مسلک کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا﴾ (النساء : ۱۲۵)

''اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اپنا منہ اللہ کی طرف کر لیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیمؑ کے طریقہ کا پیرو ہے جو یکسو مسلمان تھے اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا۔''

حضور نبی کریم ﷺ کے براہ راست مخاطبین حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہی میں سے تھے
مشرکین مکہ، اہل یہود اور نصاریٰ اپنے مذہبی اختلافات کے باوجود اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ
کی رسالت کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے اتحاد کو ممکن بنانے کے لیے سب کے
لیے قابل قبول بنیاد فراہم کر دی اور اپنے آخری رسول ﷺ کو حکم فرمایا کو آپ خود بھی ملت ابراہیمی
کا اتباع کریں اور ان تینوں گروہوں اور تمام لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں تا کہ یہ لوگ آپ کی
تعلیم کو اجنبی جان کر بدک نہ جائیں اور قرآن کریم کو حضرت ابراہیمؑ اور گزشتہ تمام انبیاء کی تعلیم کی
جامع اور مکمل شدہ صورت جان کر اس کی طرف اپنائیت کے ساتھ رجوع کریں۔ اسی مقصد کے
پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے مقام، توحید کی تعلیم کی عظمت اور اللہ کے
آخری رسول ﷺ کے توسط سے عطا کیے جانے والے عالم گیر آئین کی خصوصیت پہلے پارہ کے
آخر میں بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے، ہم یہاں ان آیات مبارکہ کا صرف ترجمہ نقل کرتے
ہیں تا کہ "ملت ابراہیمی" کا مفہوم واضح ہو جائے اور یہ بات ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جائے کہ
حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد نے ہمیشہ مسلم ہونے پر فخر کیا اور آنے والی نسلوں کو بھی اسلام پر قائم
رہنے اور اسلام کی حالت ہی میں مرنے کی تلقین کرتے رہے وہ اسلام جس کے معنی اللہ کے
سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں۔

"جب اللہ نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ میری اولاد
میں سے بھی پیشوا بنایئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا اقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا اور جب
ہم نے اپنے گھر خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ
مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف

کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر تمتع کروں گا مگر پھر اس کو عذاب دوزخ کے لیے ناچار کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے تو دعا کیے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنے لیے مسلمان بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنے لیے اُمتِ مسلمہ بناتے رہنا اور ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حالات پر رحم فرما بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے ۔اے ہمارے پروردگار! انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے اور ملت ابراہیمی سے کون روگردانی کر سکتا ہے سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے اس کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صلحاء میں ہوں گے۔

اور جب اُن سے اُن کے ربّ نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی اپنے فرزندوں سے یہی کہا کہ بیٹا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا بھلا جس وقت یعقوبؑ وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اس کے لیے مسلمون ہیں یہ اہل امت تھی جو گزر چکی ان کو

ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا اور جو عمل وہ کرتے تھے انکی پرسش تم سے نہیں ہوگی اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ اے میرے رسول آپ ﷺ فرمادیں کہ نہیں! بلکہ ہم ملت ابراہیمی اختیار کئے ہوئے ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اے اہل ایمان تم بھی کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اتری اور جو صحیفے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں اُن پر اور جو دوسرے نبیوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں اُن پر ایمان لائے ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے یعنی مسلمان ہیں تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں اور نہ مانیں تو پھر وہی ہیں ضد پر اور اُن کے مقابلے میں تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے آپ ﷺ فرمادیں کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا ربّ ہے اور ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا اور ہم اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت میں ہیں اے یہود و نصاریٰ کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ آپ ﷺ فرمادیں کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت (یعنی اس گواہی) کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کو وہ ملے گا جو انہوں نے کیا اور تم کو وہ ملے گا جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے اُن کی پرسش تم سے نہیں ہوگی (البقرہ ۱۳۴ تا ۱۴۱)

ملت ابراہیمی کی حقیقت جان لینے کے بعد معمولی غور وفکر سے ہی ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس وقت پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے والی ملت ہی ملت ابراہیمی پر گامزن ہے اور بت پرستی کے ہر شائبہ سے پاک خالص توحید کی راہ پر عمل پیرا ہے اُمت مسلمہ ہی ان کے تعمیر کردہ بیت اللہ کو اللہ کے حکم سے اپنا قبلہ اور سجدوں کا مرکز بنائے ہوئے ہے ۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے پیارے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کیلئے جو تیاری کی اور جس عظیم قربانی کی انوکھی مثال پیش کی آج دنیا بھر میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ ہر سال اس واقعہ کی یاد میں جانور ذبح کر کے قربانی کی عید مناتی ہے۔آپ نے صدیوں پہلے اللہ کے حکم سے بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے دنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دی۔اس کی تعمیل میں ہر سال لاکھوں فرزندان اسلام **لبیک اللّٰھم لبیک** پکارتے ہوئے دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچے چلے آتے اور مقررہ ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں ۔آپ کی اہلیہ سیدہ ہاجرہؓ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے لیے پانی کی جستجو میں صفاومروہ کے ٹیلوں کے درمیان جو سات چکر لگائے تھے اہل ایمان حج اور عمرہ کے دوران اسی انداز سے سعی کر کے اس مقبول بارگاہ منظر کو دوام بخشے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر جو میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ حضرت اسماعیلؑ کے قدموں کے نیچے سے جاری فرمایا اس کے مبارک پانی کا تحفہ بیت اللہ کی زیارت سے واپس لوٹنے والے خوش نصیب حجاج کے توسط سے مسلم دنیا کے کونے کونے میں پہنچتا ہے۔

نماز دین اسلام کا اہم ترین رکن ہے دنیا بھر کے مسلمان روزانہ پانچ وقت کی نماز شروع کرنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کا محبت میں ہولا ہوا بول دہراتے ہیں جو یہ ہے:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾

(الانعام : ۷۹)

"میں سب کی طرف سے منہ موڑ کر اپنا چہرہ اللہ کی طرف یکسو کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

اسی طرح نماز ختم کرنے سے پہلے آپ کی مانگی ہوئی دعا رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ پڑھ کر اپنے لیے اپنے والدین کے لیے اور تمام مومنین کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کی جاتی ہے نماز کے دوران جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کا تو نام ہی درود ابراہیم رکھا گیا ہے امت مسلمہ میں جو بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے اور سر مونڈا جاتا ہے یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ کی وجہ سے شعائر اسلام بنے ہیں۔

الغرض ان تمام امور سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضور سید الانبیا ﷺ اور آپ کی امت ہی حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلنے والے اور صحیح معنوں میں اتباع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران : ٦٧-٦٨)

**ترجمہ**: "ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور اُسی کے تابع فرمان تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ ابراہیمؑ سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ نبی آخر الزماں ﷺ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔"

یہ حقیقت تمام انسانوں خصوصاً یہود و نصاریٰ کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اللہ کے آخری رسول ﷺ اور اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم فرقان حمید پر ایمان لا کر بنی نوع انسان کی وحدت

کے خواب کو حقیقت کا روپ دینے میں معاونت کریں۔ امت مسلمہ گزشتہ تمام انبیاءؑ کی عصمت اوران پر نازل کی جانے والی کتابوں کی صداقت پر پختہ ایمان رکھتی ہے۔ گزشتہ ادوار کے تقاضوں کے عین مطابق ان تمام انبیاء کی نبوتیں محدود علاقے اور محدود وقت کے لیے ہوتی تھیں۔ ان کی تعلیم نعوذ باللہ کسی پہلو سے بھی ناقص ہرگز نہ تھی بلکہ وہ مبنی برحق اوراس قوم، اس زمانہ اوراس علاقے کی ہدایت کے لیے بالکل کافی تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا۔ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی نبوت کا امتیاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی ایک قوم یا ایک خطہ زمین کی طرف نہیں بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں اوراللہ کا آئین اپنی کامل ترین صورت میں نازل کر دیا گیا کہ اس کے بعد اب کسی نبی اور کسی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اگرچہ تمام انبیاء کی تعلیم کی بنیاد یہی تھی کہ انسان طاغوت کا انکار، اللہ کی الوہیت وربوبیت کا اقرار اوراپنی عبدیت کا اظہار کرے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے جو حالات وواقعات قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں ان میں توحید کا رنگ چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کے توسط سے بنی نوع انسان کے لیے جو عالم گیر آئین عطا ہوا اس میں بھی ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور پورے کے پورے دین میں اللہ کی توحید کا ہی غلبہ دکھائی دیتا ہے قرآن کریم کی سورت الانعام کی آخری پانچ آیات بینات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اے میرے رسول ﷺ کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے دین صحیح، ملت ابراہیم کی جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کا تھا اور مشرکوں میں نہ تھا آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیں کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ربّ العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل مسلم ہوں آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں اور وہ تو ہر چیز کا ربّ ہے اور جو کوئی برا کام

کرتا ہے تو اُس کا ضرر اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اُس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بے شک تمہارا ربّ جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (الا نعام : ۱۶۱ تا ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ایک مکمل نظام حیات عطا کرتی ہے اس میں تمام بنی نوع انسان کے لیے نور ہدایت اور رحمت کا پیغام ہے اس لیے اس سے دور بھاگنے کی بجائے اس کے قریب آئیں یہ آپ کو اپنا گرویدہ بنالے گی ۔ آپ کھلے دماغ سے اس میں تدبر و تفکر کریں یہ تعصب کے اندھیروں سے نکال کر آپ کے دل کو منور کر دے گی ۔ اس کے اندر ان بیماریوں کے لیے شفاء کا سامان ہے جو سینوں کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم کا جو عملی نمونہ پیش کیا اس اسوہ حسنہ پر پوری یکسوئی سے عمل پیرا ہو کر ہی ملت ابراہیمی کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لیے اسکے سوا کوئی طریقہ اور کوئی دوسرا ذریعہ اور نظام کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

(آل عمران:۹۵)

**ترجمہ** : " آپ ﷺ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمادیا پس ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر صرف اللہ کے ہو گئے اور مشرکوں سے نہ تھے۔"

# مثالی نظام تربیت

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین میں کسی خطا کا امکان ہی نہیں ہے ۔اس کا ہر اصول اور ہر شق بنی نوع انسان کے لیے باعث خیر و برکت ہے ۔اللہ کے دین کے بنیادی جز و تین ہیں ۔
پہلا حصہ ان عقائد پر مشتمل ہے جنہیں ارکان ایمان کہتے ہیں اور اللہ کے دین میں داخل ہونیوالے ہر انسان کو ان پر سچے دل سے ایمان لانا اور اپنی زبان سے اقرار کرنا لازمی ہوتا ہے۔
دوسرا حصہ ارکان اسلام یعنی فرض اعمال کی پابندی اور اللہ کی کامل بندگی پر مشتمل ہے ۔
تیسرا حصہ احسان کہلاتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ تمام اعمال کی انجام دہی اخلاص کے ساتھ کی جائے اور اس میں اللہ کی رضا اور محبت کے سوا کوئی غرض و غایت شامل نہ ہو ۔
ان تینوں اجزاء کے ملنے سے جو ضابطہ حیات بنتا ہے وہ بنی نوع انسان کی زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول کو یقینی بنا دیتا ہے ۔یہ لائحہ عمل اللہ ،انسان اور کائنات کی مثلث کا عقدہ پوری طرح حل کر کے انسان کو اس کے صحیح مقام اور متوقع کردار سے باخبر کر دیتا ہے ۔انسان پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ وہ کیا ہے کہاں سے آیا ہے، اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اور اسے لوٹ کر کہاں جانا ہے ۔دین اسلام تو نام ہی اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کا ہے ۔اس پائے کی اطاعت کے لیے ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل ایک نظام کو تسلیم کرنا پیشگی تقاضا ہے ۔جن چیزوں کو بغیر دیکھے ماننا ضروری ہے وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ،اسکے فرشتے جو اس کے حکم کے تحت تمام

کائنات میں کام کر رہے ہیں، اللہ کے رسول، اللہ کی کتابیں اور آخرت کی زندگی ۔ چونکہ یہ سب چیزیں غائب میں ہیں اور عام انسان ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اور نہ ظاہری حواس کے ذریعے ان کی حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے اس لیے ان بنیادی عقائد کو بغیر دیکھے مان لینا ایمان بالغیب کہلاتا ہے ۔ ان پانچ چیزوں کو تسلیم کرنے والا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے ۔ اس رضا کارانہ فیصلے سے اس نے گویا اپنی خواہشات اور آزادی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند کر لیا ہے ۔ اب اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل خوشی اور تندہی سے کرتا ہوا اللہ کی محبت کے صراط مستقیم پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے توسط سے انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے جو ہدایات دے رکھی ہیں ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام عبادت ہے ۔ اللہ کے دین میں ایک مسلمان کو راہ راست پر رکھنے کیلئے اور نفس کی شرارت سے بچانے کے لیے چند اعمال کا بجالانا فرض عین قرار دیا گیا ہے ۔

ان کی حیثیت اور اہمیت وہی ہے جو کسی عمارت میں ستون کی ہوتی ہے صرف ستونوں کو پوری عمارت قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن ستونوں کے بغیر عمارت کا وجود قائم نہیں رہ سکتا، اس لیے ان اعمال کو ارکان اسلام یعنی اسلام کے ستون کہا جاتا ہے ۔ ان میں سے سب سے اوّل کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محبوب ماننا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہوئے اپنا مطاع تسلیم کر لینا ہے ۔ یہ دین اسلام کا رہنما اصول ہے ۔ باقی جن ارکان کا تعلق عمل سے ہے اور وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بیت اللہ کا حج ہیں ۔ جیسا کہ اللہ کا دین کے عنوان کے تحت لکھا جا چکا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی تھا اور اس کا مقصود بھی ایک ہی تھا اس لئے تمام لازمی عبادات یعنی ارکان اسلام گزشتہ امتوں پر بھی اسی طرح فرض

قرار دیئے گئے تھے جس طرح آخری امت پرفرض قرار دیئے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ملا تو اس کی جگہ کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا تھا مشہور یہی ہے کہ یہ مقدس جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی مرجع خلائق تھی ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ہدایت بھی دی گئی تھی کہ کعبہ کی تعمیر کے بعد لوگوں میں منادی کر دینا کہ اس کا حج فرض ہے۔(سورۃ الحج:۲۷)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو سکے۔''

باقی ارکان اسلام کی پابندی بھی اسی طرح فرض تھی ۔قرآن کریم میں گزشتہ انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ،حضرت لوط علیہ السلام ،حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

﴿ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (الانبیاء : آیت:۷۳)

**ترجمہ**: ''اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو بھلائی کے کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔''

یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے آئین کی پابندی انسان کی اپنی ضرورت ہے کیوں کہ اس کے بغیر وہ اپنے مقصود حیات تک پہنچ نہیں سکتا ۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے کفر و ایمان ،ہماری بغاوت وعبادت اور کائنات کی ہر شے سے غنی اور بے نیاز ہے جو بندہ

ارکان اسلام کی پابندی کرے گا اس میں اسی کا بھلا ہے اور جو ان سے روگردانی کرے گا وہ ہدایت اور نور سے محروم ہو کر خود اپنا نقصان کرے گا اور آخرت کی زندگی میں پچھتائے گا۔ قرآن کریم میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو خوشی سے کرنا اور جن کو نہ کرنے کا حکم ہے ان کو نہ کرنا عین اسلام ہے اور اسی میں انسان کی فلاح اور نجات کا راز مضمر ہے۔

ایک مومن کے لیے یہ امر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ اپنے آقا پروردگار کا ذکر کثرت سے کرے، اس کے رسول کریم ﷺ کا اتباع کرے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور متاع ارضی کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ہی فرض عبادات کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ یعنی یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ ان فرض اعمال میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی پابندی کے لیے قرآن کریم میں سینکڑوں مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایمان کی پہچان، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سالانہ عبادات ہیں صرف نماز ہی روزانہ کی عبادت ہے۔ ان میں سے بھی زکوٰۃ اور حج صرف مال اور صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہیں۔ لیکن پانچ وقت کی نماز ایسی عبادت ہے جس کی پابندی زندگی کے آخری لمحات تک ہر مسلمان پر فرض ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی استطاعت اور توفیق ہر ایک کو دے رکھی ہے اور اس کا ادا کرنا ہر انسان کے بس میں ہے۔ اس عبادت میں لاتعداد حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جب ایک مومن پابندی کے ساتھ پانچ وقت اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو اس کی برکت سے متاع ارضی کی ہوس کی جو تھوڑی بہت دھول اس پر پڑی ہوتی ہے وہ ساتھ ساتھ دھلتی رہتی ہے اور اللہ کی محبت میں برابر ترقی ہوتی رہتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی میٹھی نیند، آرام و راحت، کام کاج، گھربار، مال و منال اور آل و اولاد کی محبت کو ذکر اللہ کے حضور پیش ہو کر یہ ثابت کر دیتا ہے

کہ اس کی محبت کا مرکز اور وفا کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ نماز کے دوران قیام وقعود اور رکوع وسجود میں بار بار اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا، اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا اور اس کی کبریائی کے سامنے بصد عجز و نیاز اپنی پیشانی سجدے میں رکھ دیتا ہے۔ نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سورت فاتحہ کے معانی و مطالب پر ذرا غور فرمایئے۔ انسان کو نہ تو ربّ کائنات کے دربار میں حاضری کا سلیقہ آتا تھا نہ ہی شہنشاہ دو جہاں کے حضور عرض تمنا کے لیے موزوں الفاظ کا علم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سات آیات پر مشتمل یہ خاص سورت حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے اپنے بندوں کو عطا فرمائی۔ اس میں بندوں کو اپنے حضور حمد و ثناء اور التجا و دعا پیش کرنے کے لیے اپنے شایان شان بہترین کلمات کی تربیت دی گئی۔ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے اسے بہترین دعا کا خطاب فرمایا ہے۔ یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں سب سے پہلے تو بندے رب کائنات کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہمیں تو تیری عظمت اور قدرت کا صحیح عرفان ہی حاصل نہیں کہ ہم تیری خاص الخاص حمد کو جو تیری شان کے لائق ہے، بیان کر سکیں۔ تمام حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے کیوں کہ باقی ہر شے میں جو بھی خیر و خوبی ہے وہ تیری ہی عطا کردہ ہے۔ تو اتنا بڑا بادشاہ ہے کہ پوری کائنات پر تیری حکمرانی ہے۔ اتنے بڑے شہنشاہ سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کیوں کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ اپنے آپ کو ہیبت ناک اور رعب دار بنا کر رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے خوف کو دور کرنے کے لیے اگلی آیت میں اپنے دو ایسے صفاتی نام رکھ دیئے جو سراسر پیار، محبت، رحمت اور مہربانی کا مظہر ہیں۔ الرحمٰن، الرحیم وہ بے شک عظیم بادشاہ ہے لیکن وہ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے وہ روز جزا کا بھی مالک ہے اس لیے تم بلا خوف دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کی درخواست پیش کرو۔ اس کے بعد اللہ ہی کی

غلامی اور بندگی کرتے ہیں اور صرف آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ آپ کی محبت اور رضا ہی ہمارے لیے سرمایہ دارین ہے اس لیے تو ہمیں اپنی اطاعت اور محبت کے صراط مستقیم پر چلائے رکھ تا کہ تیرا قرب حاصل کر کے ہم بھی انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہو جائیں اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر صراطِ مستقیم سے ہٹ کر تیرے غضب کے مستحق ہو جانے والوں اور کفر کے اندھیروں میں گمراہ ہو جانے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ۔ کیا شان ہے اس دعا کی کہ اس کے پڑھنے سے دین کا پورا خاکہ، قرآن کی تعلیم کا جامع خلاصہ اور انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد اس اہم ترین عبادت کو بار بار دہرانے کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، زندگی کی غرض وغایت اور آخرت میں جزاوسزا کا احساس ہر وقت شعور میں تازہ رہتا ہے۔

نماز کا مقصود یہی ہے اور یہی وہ نماز ہے جو برائیوں، گمراہیوں اور ناپسندیدہ اعمال سے انسان کو بچا لیتی ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ آپ جس چیز کو یاد کرتے رہیں گے، وہ یاد رہے گی اور جس کا ذکر ترک کر دیں گے وہ آخر کار فراموش ہو جائے گی۔ جس شخص نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر رکھی ہو وہ اگر اس کا مسلسل دورہ نہ کرتا رہے تو اسے قرآن بھی آہستہ آہستہ بھول جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے۔ اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میرے ذکر کے لیے یعنی مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے نمازوں کی جتنی رکعتیں، جو ارکان، آداب اور اوقات تعلیم فرمائے ہیں وہ سب پر از حکمت ہیں۔ ان کے مطابق نماز ادا کرنے سے ہی مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس اہم ترین عبادت کی حقیقی افادیت تھوڑے وقفوں کے بعد ادا کرنے ہی میں ہے تا کہ دین کے بنیادی حقائق ہر وقت شعور میں تازہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ (النساء : ۱۰۳)

''بے شک نماز مومنین پر وقت کے وقفوں کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔''

نماز با جماعت باہمی نظم وضبط اور اطاعت امیر کی مسلسل تربیت کا اہتمام بھی ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ دین اسلام شخصیت پرستی کی بجائے اللہ کی الوہیت اور حاکمیت کا علم بردار ہے کیوں کہ جماعت کا امیر اور امام خود بھی اسی ہستی کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اظہار بندگی کر رہا ہے جسکے سامنے جماعت اپنی جبیں خاک پر رکھے ہوئے ہے۔اس سے مومن ہر روز پانچ مرتبہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اخوت ومحبت،مساوات اور اکرام انسانیت کی تربیت حاصل کرتا ہے۔دوسرے بھائیوں سے مل کر ان کے دکھ سکھ سے آگاہ ہوتا اور حتی المقدور ان کی خدمت اور مدد کرتا ہے۔نماز اور ذکر سے روح کو غذا اور قوت ملتی ہے اور دل اطمینان پاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ذہنی سکون اور جسمانی راحت بھی حاصل ہوتی ہے۔اس ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن کریم کی سورت یٰسین میں آیا ہے کہ قیامت کے روز ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔اس لیے انسان کے لیے بہت ضروری ہے کہ ان سرکاری گواہوں کو عبادات میں اور خاص طور پر نماز میں لگائے رکھے تا کہ کچھ نیک گواہوں کا بھی انتظام ہو جائے۔

نماز کے بعد اہم ترین عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔قرآن کریم میں ایمان لانے کے بعد کثرت کے ساتھ جن دو اعمال کا ذکر آتا ہے وہ نماز اور زکوۃ ہیں۔نماز کا تعلق اللہ تعالیٰ کی محبت بھری عبادت سے ہے اور زکوۃ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اللہ کی سب سے پیاری مخلوق انسانوں کی خدمت کے لیے مال صرف کرنے کا نام ہے اس کی ادائیگی سے جہاں بنی نوع انسان کے دکھوں کو کم کر کے ان کی حالت کو بہتر بنانا مقصود ہے۔وہاں مومن کے قلب کو

مال و دولت کی محبت کے مضر اثرات سے بچانا بھی ہے۔

اسی طرح روزہ بھی انسانی کردار کے بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا یا اس کو ترک کر دینا۔ روزہ سے مراد کسی کام کا کرنا نہیں بلکہ کچھ کاموں کو نہ کرنا ہے۔ اس میں نفس کی خواہشات کی تکمیل سے روکا جاتا ہے تاکہ اسے اللہ کی محبت کی راہ میں حائل ہونے والی چیزوں سے بچنے کی مشق کرائی جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہا جائے۔ یہ چیزیں بنیادی خواہشات کی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر ان کو ضبط میں لایا جائے تو دوسری خواہشات کو آسانی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ تقویٰ کی تربیت روزے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی اور اس سلسلے میں کوئی بھی دوسری عبادت روزے کا بدل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ تمام گزشتہ امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ تقویٰ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو دنیا و مافیہا کی محبت سے بچا کر اللہ کی محبت اور قرب و رضا کے لیے وقف ہو جائے۔ روزے کا مقصد اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ وہی ہے جس میں مومن قلب و روح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع بنائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھوں اور سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روکے رکھے۔"

دین کا تیسرا جزو اخلاص ہے۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ جو کام بھی کیا جائے

وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جائے اور اس میں ذاتی شہرت، نام و نمود اور نمائش وریا کاری کا قطعی دخل نہ ہو۔ اعمال میں خلوص کی حیثیت جسم میں روح کی مانند ہے خلوص کے بغیر اعمال بے جان اور بے قدر و قیمت ہو جاتے ہیں۔ نماز، روزہ، صدقہ، قربانی، حج اور اللہ کے ہاں اسی وقت قبولیت حاصل کرتے ہیں جب ان سے مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔ قرآن و احادیث کے مطابق خلوص و محبت سے خالی اعمال انسان کے منہ پر مارے جائیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس نے ریا کاری کی اس نے شرک کیا۔'' کیوں کہ ریا کار اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی بجائے لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ ریا کا تعلق باطنی نیت سے ہوتا ہے اس لیے ایک مومن خود اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے وہ اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے طریقے سیکھتا ہے۔ وہ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل، تلاوت قرآن، درود شریف اور کثرت ذکر کے ذریعے قلب کی نورانیت میں اضافہ کرتا ہے جس کے اثر سے نفس کی حالت بھی سنورنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ ناشکری اور گلے شکوؤں کی عادت ترک کر کے ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا شیوہ اپنا لیتا ہے۔ آخر کار اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند اس کی اپنی پسند و ناپسند بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت اسے متاع دنیا کی محبت سے بے گانہ کر دیتی ہے۔ وہ عالم اسباب میں اسباب کو استعمال کرتے ہوئے بھی ان پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ نتائج اور حسن انجام کے لیے اللہ پر توکل کرتا ہے، اسی لیے ظاہری اسباب کی کمی یا عدم موجودگی اس کے عزم و ہمت اور ذوق عمل کو ڈگمگا نہیں سکتی۔ شیطان کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ان خواہشات کے سبب ہوتا ہے جو ماسویٰ اللہ کی محبت کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ جب نفس مسلمان ہو جائے اور انسان کی خواہشات میں بھی اللہ کی محبت گھر کر لے تو شیطان کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ماسویٰ اللہ سے استغناء، توکل علی اللہ

اور کثرت ذکر ہی وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر ایک مومن شیطان کی دسترس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (النحل : ۹۹-۱۰۰)

**ترجمہ:** ''شیطان کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو ایمان لے آئیں اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں اس کا زور ان پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ دوستی لگاتے ہیں اور اللہ کے شریک مقرر کرتے ہیں۔''

اللہ کی توحید اور کثرت ذکر سے اللہ کے ساتھ تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے اور قطع ما سویٰ اللہ اور تسلیم و رضا کی مسلسل مشق کرنے سے ہی توکل علی اللہ اور تبتل إلی اللہ کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اصلاح قلب اور اخلاص فی العمل کا تعلق تصوف کے شعبہ سے ہے۔ تصوف یا طریقت کی تعلیم نہ تو شریعت سے علیحدہ ہے اور نہ ہی اس کے خلاف ہے۔ بلکہ طریقت تو اصل میں شریعت کی ایک خادمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور دین کے تیسرے جزو اخلاص اور مرتبہ احسان کے حصول میں اس کی معاون بنتی ہے۔ تصوف کا اصل کام دلوں کی صفائی کر کے اس میں اللہ کی محبت کو بیدار کرنا ہے۔ اس کا مقصود کشف و کرامات کی طاقت حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا حصول ہے۔

اللہ کے دین میں جن لازمی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اللہ کی بندگی کے کم از کم معیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ پانچ وقت کی نماز ہر بچے بوڑھے اور تندرست، بیمار کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن قرآن کریم میں راتوں کو قیام و سجود میں گزارنے اور نماز تہجد کے لیے بیدار ہونے والوں کا

بھی ذکر موجود ہے۔اسی طرح اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے جو اس سے انکار کرے اس کے خلاف اسلامی حکومت جنگ کرسکتی ہے۔حضورﷺ کی مثالی زندگی تو اس طرح تھی کہ کبھی گھر میں مال جمع ہونے ہی نہیں دیا گیا جو آیا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور یوں زکوٰۃ فرض ہونے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔

ایک جنگ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور حضرت عمر فاروق ؓ نے آدھا اثاثہ اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تھا۔

اسی طرح فرض روزوں کے علاوہ سنت اور نفلی روزوں کی فضیلت بھی احادیث میں بیان کی گئی ہے اور اللہ والوں کا اس پر عمل رہا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ فرض اعمال کا جو کم سے کم معیار مقرر کر دیا گیا ہے اس کی پابندی ہر مسلمان پر لازمی ہے۔جی چاہے یا نہ چاہے ان کی ادائیگی بہر صورت کرنی پڑے گی لیکن نوافل کا معاملہ مومن کے ذوق پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

البتہ اللہ کی راہ میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کا حکم دیا گیا ہے اور مومنین سے ترقی کر کے مقربین میں شامل ہونے کے ذوق کو ابھارا گیا ہے۔یہ جو کم از کم فرائض مقرر کیے گئے ہیں ان پر عمل کرنے سے تو مسلمانی قائم رہتی ہے لیکن اللہ کا قرب نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر ہم نماز کے دوران رکوع وسجود کی تسبیحات ہمیشہ تین تین مرتبہ ہی پڑھیں اور قرآن کی تلاوت بھی کم از کم معیار پر کریں۔ایسا عمل کرنے سے ہمیں اجر و ثواب بھی کم از کم ہی ملے گا۔بندہ مومن جب اللہ کی محبت میں لمبے لمبے رکوع وسجود کرے گا اور اپنے ذوق سے تسبیحات کی تعداد بڑھاتا چلا جائے گا تو نفلی اضافہ اللہ کی محبت کے حصول میں مدد دے گا۔اسی طرح اللہ کی

محبت اور قرب کی جستجو رکھنے والے صرف پانچ وقت کی نماز کے دوران ہی اللہ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ جو دم غافل سو دم کافر کے اصول پر چلتے ہوئے ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔قرآن کریم میں بار بار حکم دیا گیا ہے کہ کھڑے بیٹھے اور پہلو پر لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اللہ کی محبت کے ذوق وشوق میں نماز کے دوران اتنے طویل قیام کا ذکر بھی ملتا ہے کہ آپ کے پائے اقدس میں ورم آجاتا تھا اور کبھی کبھی سجدہ اتنا طویل ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کو تشویش لاحق ہو جاتی کہ کہیں روح مبارک قفس عنصری سے پرواز تو نہیں کر گئی ۔اس طرح کی اعلیٰ کیفیات سے آشنائی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جائیں ۔جب نماز کی لذت میں ایسا استغراق نصیب ہو جائے کہ اس کا ہوش ہی نہ رہے اور اس میں گہرا لگا ہوا تیر کھینچ لیا جائے لیکن خبر تک نہ ہو۔

اللہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کے ذوق وشوق والی نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح:۲۹)

**ترجمہ:** ''تو ان کو دیکھتا ہے کہ رکوع اور سجدہ میں اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کر رہے ہیں ان کی محبت بھرے سجدوں کا نور ان کے چہروں سے جھلکتا ہے''۔
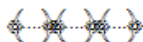
# عبادات کی اہمیت

دین اسلام میں داخل ہونے والے انسان کے لیے اللہ نے جن خاص عبادات کی پابندی لازمی یعنی فرض قرار دی ہے وہ اس میں اللہ کی حاکمیت کا احساس زندہ رکھتیں اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچاتی ہیں۔ایک مومن کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے ربّ کا ذکر کثرت سے کرے، اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور متاع ارضی کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرے اور اس کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنائے۔لازمی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی پابندی کے لیے قرآن میں سینکڑوں مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ایمان کی پہچان، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سال میں ایک مرتبہ ادا کیے جاتے ہیں اور ان میں بھی زکوٰۃ اور حج صاحب استطاعت لوگوں پر ہی فرض ہیں لیکن نماز ایسی عبادت ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اور کسی بھی حالت میں اس سے رخصت نہیں اور زندگی کے آخری لمحات تک اس کی پابندی لازمی ہے۔ اس عبادت میں جو حکمت پوشیدہ ہے ذرا اس پر غور فرمائیں۔جب ایک مومن پابندی کے ساتھ پانچ وقت اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو اوپر بیان کیے گئے تمام محاسن کی تربیت میں گزرتا ہے۔وہ اللہ کی حاکمیت کو

تسلیم کر کے اذان کی آواز پر لبیک کہتا ہوا اللہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی نیند، راحت، آرام، کام کاج، گھربار، مال و منال اور آل اولاد کی محبت کو توڑ کر اللہ کے حضور پیش ہو کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کی وفا کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے۔ نماز کے دوران قیام و رکوع وسجود میں بار بار اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا، اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے بصد عجز و نیاز اپنی پیشانی سجدے میں رکھ دیتا ہے۔ دنیوی مقام و مرتبہ کے امتیاز کے بغیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اخوت و مساوات کا عملی سبق سیکھتا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ دوسرے بھائیوں سے مل کر ان کے دکھ سکھ سے آگاہ ہونا اور حتی المقدور ان کی خدمت اور مدد کرتا ہے چونکہ آخرت کی زندگی میں جنت کا داخلہ اسی صورت میں ممکن ہوگا، جب نفس اور جسم کو بھی اللہ کی اطاعت پر لگایا جائے۔ اسی لیے شریعت میں ان سب کی اصلاح کا انتظام بڑی حکمت سے کیا گیا ہے نماز اور کثرت ذکر سے روح کو غذا ملتی ہے اور قلب اطمینان پاتے ہیں۔ دل کی نورانیت سے نہ صرف نفس کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ جسم کی جلد بھی نرم ہو کر ذکر میں لگ جاتی ہے۔ نماز کے علاوہ رمضان المبارک کے روزے تزکیہ نفس کے لیے سالانہ تربیتی کورس کیلئے نہایت مفید ہیں۔ زکوٰۃ مال و دولت کی محبت کو توڑنے کا ذریعہ ہے اور حج رنگ و نسل اور ملک و زبان کے بتوں کو توڑ کر وحدت انسانیت اور اسلام کی عالم گیریت کا عملی مظاہرہ ہے۔

# نماز کی جامعیت

کلمہ طیبہ کے بعد نماز نہ صرف اسلام کا اولین عملی رکن بلکہ لازمی مظہر بھی ہے۔ کلمہ طیبہ ایک عظیم الشان انقلابی اصول ہے جو تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کی نفی کر کے اللہ رب کائنات کی حاکمیت اور الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا اعلان ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے مومن کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے باقاعدگی کے ساتھ اپنی غلامی اور عبدیت کا اظہار کرتا رہے۔ اس کے لئے نماز سے بہتر کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز کی ترکیب، ترتیب، ہیئت اسکے مخصوص اوقات اور اس میں پڑھے جانے والے مقدس کلمات مل کر اسے اتنا اعلیٰ و ارفع عمل بنا دیتے ہیں کہ اس سے بہتر اظہار بندگی کا سلیقہ اور خالق سے رابطے کا طریقہ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ جو غلام اپنے آقا کا نام لینے اور اس کے دربار میں اظہار محبت و عقیدت کیلئے حاضری دینے سے عاری ہو اس سے یہ امید کیونکر رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار بندہ بن کر اس کے تمام احکام کی پابندی کرے گا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ باقی چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے ہاں نماز نہیں اس کے ہاں دین بھی نہیں اور صرف نماز کے عمل کو ہی مسلمان کی پہچان قرار دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنَّ بَیْنَ الرَّجُلِ وَ بَیْنَ الشِّرْکِ وَ الْکُفْرِ تَرْکَ الصَّلٰوۃِ" (مسلم)

"بے شک انسان اور شرک وکفر کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے والی چیز نماز ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور ایمان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے اس نے گویا عملی طور پر اللہ کی حاکمیت کا انکار کر دیا۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب دوزخیوں سے جنت والے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے اس حال تک پہنچایا ہے تو وہ خود اپنی زبان سے اس کی بڑی وجہ نماز نہ پڑھنے کو ہی قرار دیں گے اس سلسلہ کی قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:

﴿مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۝ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۝ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ حَتّٰی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ" (المدثر ۴۲ تا ۴۷)

"تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور سوچوں میں پڑ جانے والے اہل باطل کے ہمراہ ہم بھی سوچوں میں پڑے ہوئے تھے اور روزِ حشر جزا کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات۔"

نماز بہت بڑی نعمت ہے کیوں کہ اسی سے انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اللہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اس سے روگردانی کرنے والے کو شیطان اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ نماز ایک ایسا مربوط نظام تربیت ہے جو ظاہر و باطن اور جسم و روح دونوں کو قرب الٰہی کے اعلیٰ مقامات تک رسائی کے لئے تیار کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ محشر میں انسان اپنے مادی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اس لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ساتھ ساتھ جسم کو پاکیزہ رکھنا اور اس کے اعضاء کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگانا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے اس نقطۂ نظر سے ہم نماز کی جامعیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے طہارت کو لیجئے جسے

نصف ایمان کا درجہ دیا گیا ہے ۔نماز جیسی اہم عبادت اس وقت تک ادا نہیں کی جا سکتی جب تک جسم، لباس اور جگہ پاک و مطہر نہ ہوں ۔طہارت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں نماز ادا کرنے کا طریقہ اور مختلف نمازوں کی رکعتوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی لیکن طہارت کے بارے میں تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں، ان کی جھلک ملاحظہ کیجئے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''۔﴾ (المائدہ: آیت: 6)

''اے اہل ایمان جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح یعنی تیمم کر لو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تا کہ تم شکر گزاری کرو''۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے آخر میں بار بار کی مشقت میں ڈالنے اور غسل جنابت کی تکلیف دینے کی حکمت بھی ظاہر کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اہل ایمان پر تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ جسم کی طہارت اتنی اہم ہے کہ اس کے بغیر نعمت کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

اس لئے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے ایسا کامل نظام حیات عطا فرمایا جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا میں بھی ایک مومن کا جسم اور لباس کسی وقت ناپاک نہیں ہونے پاتا ۔ غیر اسلامی طریقوں پر زندگی گزارنے والے اس طہارت و لطافت سے محروم رہتے ہیں اور اس محرومی کے ظاہری اثرات محسوس بھی کئے جاسکتے ہیں ۔

طہارت کے فضائل و برکات اور اس کے روحانی اثرات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ " میں قیامت کے روز اپنی امت کے افراد کو وضو کی برکت سے پہچان لوں گا کیوں کہ وضو کی نورانیت کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے جگمگا رہے ہوں گے ۔ "

افسوس ہے ان غافل مسلمانوں پر اور ولایت کے دعوے داران ، جھوٹے صوفیوں پر جو نماز ترک کر کے دنیا اور آخرت میں مسلمانی کی پہچان ضائع کر رہے ہیں ۔ ایک مومن جب نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو وہ اعضاء کی طہارت کے ساتھ ساتھ اس سے سرزد ہونے والی خطاؤں سے توبہ بھی کرتا ہے اور آخر میں دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں اور ان لوگوں میں شامل فرما جو بہت زیادہ پاک صاف رہنے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دیتے وقت ظاہری طہارت کے علاوہ قلب و ذہن کا متاع دنیا کی محبت سے خالی ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ضروری ہے ۔ بے خیالی اور بے دلی سے ادا کی گئی نمازوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو ۔ اور اس کیفیت کی تشریح یوں فرمائی کہ جب تمہارا ذہن اتنا بے قابو ہو کہ زبان سے ادا ہونیوالے کلمات سے اس کا ربط باقی نہ رہے ۔ عام طور پر یہ کیفیت شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال ہی سے پیدا ہوتی ہے لیکن مال و اسباب کی محبت میں شدت آجانے اور کاروبار میں استغراق ہو جانے کے اثرات

بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ کھڑے تو نماز میں ہیں اور معمول کے مطابق میکانکی انداز میں تلاوت بھی ہو رہی ہے اور رکوع و سجود بھی پورے کیے جا رہے ہیں لیکن ذہن اس سارے عمل سے لاتعلق ہو کر دنیا کے خیالات اور کاروباری معاملات کے تعاقب میں بھٹکتا پھر رہا ہوتا ہے۔ نہ یہ یاد ہوتا ہے کہ کون سی سورت تلاوت کی تھی نہ اس بات کا شعور ہوتا ہے کہ رکوع و سجود میں جو تسبیحات پڑھی ہیں ان کی اہمیت کیا ہے، بلکہ بعض اوقات تو رکعتوں کی تعداد بھی یاد نہیں رہتی۔ بقول شیخ سعدیؒ:

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح جاری ہو اور دل میں گدھے گھوڑے اور گائیں بھینسیں پھر رہے ہوں تو اس طرح کی نماز کا بھلا کیا اثر ہوگا۔ اس لیے ذہن کو اپنے قابو میں رکھنے کا طریقہ بھی اللہ والوں سے سیکھنا چاہیے۔ ایسی کوئی مشکل نہیں ہے جس کا حل مردان حق کے پاس نہ ہو۔

حقیقی نماز تو ظاہر و باطن اور قلب و قالب کی یکسوئی اور یکجہتی کا حسین امتزاج ہے۔ نماز کیلئے مومن اپنے چہرے کا رخ بیت اللہ کی طرف اور دل عرش الٰہی کی طرف متوجہ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر گویا عارضی طور پر اس دنیا کی ہر شے سے دستبردار ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے تکبیر تحریمہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد جسمانی اعضا ظاہری حواس اور قلب و ذہن پر ہر حرکت، ہر کلمہ بلکہ ہر خیال حرام ہو جاتا ہے جو نماز کا حصہ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں، جسمانی حرکت بند ہو جاتی ہے، نگاہیں سجدہ گاہ پر ٹھہر جاتی ہیں، کان راز و نیاز کی سرگوشیوں پر متوجہ ہو جاتے ہیں، قلب و ذہن اللہ کی حضوری کی لذت میں منہمک ہو جاتے ہیں اور زبان اپنے آقا و مالک اور معبود و محبوب اللہ کی حمد و ثنا اور تکبیر و تسبیح میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اب رکوع و سجود میں جانا ہو یا ان سے اٹھنا ہو،

بیٹھنا ہو یا کھڑا ہونا ہو ہر حرکت صرف اللہ کے نام سے ہوگی ۔حضورﷺ نے صحابہؓ کو نماز کے دوران داڑھی پر ہاتھ پھیرتے دیکھتے تو فرماتے اگر اس کے دل میں خشوع وخضوع ہوتا تو اس کا ہاتھ داڑھی کی بجائے دل پر ہوتا ۔

الغرض نماز میں ظاہر اور باطن دونوں پہلوؤں کو مناسب اہمیت دی گئی ہے جس طرح قلب وذہن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنا ضروری ہے ۔اسی طرح جسم کی ہیئت ،حتیٰ کہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو بھی شریعت کی بتائی ہوئی حالت کے مطابق رکھنا ضروری ہوتا ہے ۔

اللہ والوں کے نزدیک نماز کے ان ارکان میں (جن کا تعلق جسم کی ہیئت سے ہے ) ایک لطیف راز بھی پوشیدہ ہے جو اللہ کے ہاں نماز کی ظاہری صورت کی مقبولیت کی بہت ہی پیاری دلیل ہے وہ یہ کہ نماز کے دوران انسان کے جسم کی چار حالتیں ہوتی ہیں ۔جنہیں ہم قیام ،رکوع، سجود اور تشہد کہتے ہیں ۔نمازی جب قیام کی حالت میں سیدھا کھڑا ہوتا ہے تو اس کا جسم حرف الف (ا) کی طرح ہوتا ہے ۔جب رکوع میں جھکتا ہے تو حرف حا (ح) کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔جب اپنا سر سجدے میں رکھتا ہے اس وقت حرف میم (م) اور تشہد کی حالت میں حرف دال (د) کی صورت بن جاتا ہے ۔اس طرح ایک نمازی نماز کے دوران ا ح م د کی شکلیں بناتا ہے جن کے ملنے سے اللہ تعالیٰ کے حبیبﷺ کا نام نامی احمد بن جاتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے نماز میں یہ ترتیب خود ہی سکھائی اور اپنے حبیبﷺ کی محبت کے صدقے میں نمازی اس ظاہری صورت سے بھی یقیناً پیار کرتے ہوں گے ۔

بعض نام نہاد صوفیوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولﷺ کی دی ہوئی تعلیم سے انحراف کرتے ہوئے نماز ترک کر دی اور عوام الناس میں یہ غلط تاثر پیدا کیا کہ نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ملا ہے اس لئے ہم فقیروں نے نماز قائم کر لی اور ہماری ہر وقت ہی نماز ہے ۔

حالانکہ جسم اور لباس کی طہارت اور حضوری قلب کے ساتھ، مقررہ اوقات پر دوسرے بھائیوں کے ساتھ ملکر ایک امام کی اقتدا میں قیام و رکوع اور سجود کے دوران اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح اور تکبیر بیان کرنے اور اسے مدد کے لئے پکارنے کا نام ہی اقامت صلوٰۃ ہے۔ دنیا بھر میں رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق تواتر کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لئے جب اذان کے ذریعے دعوت دی جاتی ہے تو دنیا بھر کی کروڑوں مساجد سے حی علی الصلوٰۃ کی آواز ہی بلند ہوتی ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ نماز مساجد میں ہی ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے باجماعت نماز شروع کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق قد قامت الصلوٰۃ نماز قائم ہو گئی ہے، کا اعلان با آواز بلند کیا جاتا ہے تا کہ اقامت الصلوٰۃ کی حقیقت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

حضور ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق جو لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں وہی نماز کو قائم کرنے والے ہیں اور اللہ کی رحمت سے انتہائی قرب کی نعمت سے نوازے جائیں گے درویشی اور فقیری کے وہ دعویدار جو نماز ادا نہیں کرتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی نماز سے روکتے ہیں وہ شیطان کے دھوکے میں آ گئے ہیں۔ یہ لوگ یوگ کی مشقوں اور چلوں کی مدد سے اپنی روحانی طاقت بڑھا لیتے ہیں اور چند شعبدے دکھا کر جاہل عوام پر اپنی ولایت کا رعب جھاڑتے ہیں ۔ اس مقصد کے لئے جو بھی اوراد و وظائف یا جنتر منتر پڑھتے ہیں وہ بیٹھے بٹھائے دھرنا مار کر ہی پڑھتے ہوں گے۔ اگر وہ اپنی کج فہمی کی بنا پر اسے نماز سمجھتے ہیں تو پھر وہ اپنے بنیادی دعوے میں ہی جھوٹے ہیں کہ ہم نے نماز قائم کر لی ہے۔ کیوں کہ اسے قائم کرنا نہیں کہا جا سکتا بلکہ بیٹھ کر پڑھنا، وظیفہ کرنا کہا جا سکتا ہے۔ ایسے نام نہاد فقیروں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز قائم کرنے والوں کو نماز پڑھنے والے سمجھتے ہیں اور خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے بٹھائے کوئی وظیفہ پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نماز قائم کرنے والے کہتے ہیں۔ بے شک جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا

ایسے لوگ لاکھ وظیفے پڑھیں، قلب پر ضربیں لگا لگا کر جلی اور خفی ذکر کرتے رہیں اور کتنی ہی روحانی طاقت حاصل کر لیں لیکن ولی اللہ کبھی نہیں بن سکتے اور آخرت میں پچھتائیں گے۔ انسان کی زندگی کا حقیقی مقصود اللہ کی محبت اور اس کے قرب کا حصول ہے۔ اور یہ دولت اور نعمت عظمیٰ قرآن کریم کے اعلان کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ساری انسانیت کیلئے مثالی زندگی کا عملی ماڈل حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ جس راہ پر جس انداز سے چلے اسی راہ پر، اسی انداز سے چلنا ہی قبولیت کی سند ہے۔ آپ ﷺ کے طریقہ میں کمی یا بیشی افراط اور تفریط شمار کی جائے گی۔ نماز مومن کی معراج ہے تو سجدہ نماز کی معراج ہے کیوں کہ قرآن کریم کی آیت وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹) اس حقیقت کی دلیل ہے کہ اللہ کا انتہائی قرب سجدہ کی حالت میں ہی نصیب ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں منافقین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں اللہ کا ذکر کرتے ہیں مگر تھوڑا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے کھڑا بھی ہونا پڑتا ہے اور یہ دھرنا مار کر یا گھٹنوں میں سر دے کر قائم نہیں کی جاتی۔ اس آیت میں سستی سے نماز ادا کرنا اور اللہ کا ذکر تھوڑا کرنا منافقین کی علامت بتائی گئی ہے اس سے ان مسلمان بھائیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو نماز اور اللہ کے ذکر سے بالکل ہی غافل ہیں۔ وہ اپنے مقام کا تعین خود ہی کر لیں اقامت صلوٰۃ کی وضاحت کے لیے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت بڑی سودمند ہے:

﴿ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ﴾ (النساء:۱۰۲)

**ترجمہ** : ''اے میرے رسول جب آپ مجاہدین کے لشکر میں ہوں اور مومنین کے لیے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت مسلح ہو کر آپ کے ساتھ نماز ادا کرے۔''

اب ذرا غور فرمایئے کہ قرآن مجید میں دیئے گئے اقامت صلوٰۃ کی اس طریقے اور طریقت کے جھوٹے دعویداروں کی خرافات میں کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ صحیح اسلامی حکومتوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے خلاف اسلام اور گمراہ کن عقیدوں کو بلا روک ٹوک اور علی الاعلان بیان کیا جاتا ہے۔ احتساب کا نظام فعال نہ ہونے کی وجہ سے غیر شرعی عقائد کے حامل فقیروں کے علاوہ کتنے ہی مہدیت، مسیحیت اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو بھی پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے رہے ہیں اور اب بھی دستیاب ہیں۔

جو لوگ شریعت کے مطابق نماز ادا نہیں کرتے ان کے بارے میں امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت کو چاہیے کہ تارک صلوٰۃ کو قتل کر دے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں تھوڑی سی نرمی ہے کیوں کہ ان کے مطابق حکومت کو چاہیے کہ بے نمازی کو خوب زدوکوب کر کے قید میں ڈال دے جب تک وہ توبہ کر کے نماز قائم نہ کرے اسے رہا نہ کیا جائے۔ لیکن ہماری جہالت کی وجہ سے یہاں کئی لوگ موجود ہیں جو خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی نماز سے روکتے ہیں لیکن پھر بھی انہیں روحانی رہنما مانا جاتا ہے۔ حالانکہ سید الانبیاء ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر کوئی شخص تمہارے پاس ہوا میں اڑ کر، پانی اور آگ پر چل کر آ جائے تو اس کی اس روحانی طاقت کو دیکھ کر اسے اللہ کا برگزیدہ ہرگز تسلیم نہ کرو بلکہ یہ دیکھو کہ وہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں۔ اگر میرے طریقہ پر ہے تو یہ اس کی بزرگی کی علامت ہے اور اگر میرے طریقہ اور میری شریعت پر عمل پیرا نہیں ہے تو اسے بزرگ سمجھنا تو درکنار اس کے سر پر جوتے لگاؤ کیوں کہ وہ گمراہ ہے اور گمراہی پھیلائے گا۔''

اسی حدیث شریف سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ اس طرح کے شعبدوں کی طاقت غیر شرعی طریقوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ شیطان بڑا فریبی اور دھوکہ باز ہے اور وہ انسان کو اللہ کے قرب سے محروم رکھنے کے لیے زبردست چالیں چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى O وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۴۔۱۵)

**ترجمہ:** "بے شک وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"۔

اس آیت مبارکہ میں حقیقی فلاح کے حصول کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں۔

سب سے پہلے رسول ﷺ یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین و صادقین کے روحانی فیض سے تزکیہ یا باطن کی صفائی اور نور ایمان کا حصول ہے اس کے بعد اللہ کا ذکر کرنے اور نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے ابلیس کا تو کام ہی یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ کی راہ سے ہٹائے۔ اگر وہ کسی انسان کو پوری طرح گمراہ نہ کر سکے تو پھر اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے چند صالح اعمال سے روک لے تاکہ وہ اللہ کی محبت اور معرفت کے اعلیٰ مدارج سے محروم ہو جائے۔ ذکر اور نماز کے معاملہ میں بھی اس نے دلیل اور تاویل کی دو دھاری تلوار سے خوب کام لیا ہے۔ اس نے بعض علماء اور نمازوں کی پابندی کرنے والے حضرات کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ بس نماز ہی کافی ہے یہی اللہ کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ کا ذکر کرنے والوں کے دل میں یہ بات ڈالنے میں کامیاب ہو گیا کہ نماز کی غرض و غایت تو اللہ کا ذکر ہے تم تو ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتے ہو اور جو دم غافل کے اصول پر عمل پیرا ہو اس لیے تمہیں ظاہری نماز اور رکوع و سجود کے تکلف میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو عوام اور ظاہر پرست لوگوں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اسی طرح دونوں گروہوں کی کثیر تعداد کو اپنے دام فریب میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے نمازیوں کو ذکر کی نعمت سے محروم کر دیا اور ذکر کرنے والوں سے نماز چھڑوا کر صراطِ مستقیم سے دور کر دیا۔

بعض حضرات کثرت ذکر یعنی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران اللہ کا ذکر جاری رکھنا ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بس نماز ہی ذکر ہے اور قرآن کریم کی کثرت ذکر والی آیات سے مراد ہر وقت اللہ اللہ کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دنیا کے سارے کام ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیے جائیں حالانکہ اوپر بیان کی گئی سورہ اعلیٰ کی آیت نمبر ۱۹ اور سورہ مزمل کی آیت نمبر ۸ کے الفاظ کا اشارہ اس توجیہہ سے مختلف ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ( المزمل : ۸)

**ترجمہ:** ''اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو اور قلبی طور پر سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جاؤ۔''

ان دونوں آیات میں اللہ کو یاد رکھنے کا حکم نہیں دیا جا رہا بلکہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اپنے ربّ کے ''نام'' کا ذکر کرو۔ اللہ کے ذکر یعنی اسکی یاد کی تاویل تو یہ کی جا سکتی تھی کہ سارے کام اللہ اور یوم آخرت کو یاد رکھتے ہوئے درست طریقے سے پورے کیے جائیں لیکن ''ربّ'' کے نام کا ذکر کرنے کے معنی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ اپنے ربّ کے نام یعنی لفظ اللہ کی تکرار ہر وقت اور ہر جگہ کی جائے۔ اللہ کی یاد اللہ کا نام لینے ہی سے پختہ ہوتی ہے۔ نماز بھی کچھ کلمات اور چند جسمانی حرکات کی تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد تکرار کا ہی تو نام ہے اس لیے صرف نماز ہی ذکر ہے جو صرف مخصوص اوقات میں مخصوص طریقے سے کیا جاتا ہے۔ اس بات کو تو ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے اس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور حمد وثنا پر مشتمل کلمات کا ورد کیا جائے تو ثواب بہت ہی زیادہ ہوگا اور اگر خالق کائنات کی ذات اکرم کے نام ''اللہ'' کا ذکر کیا جائے تو اس پر ملنے والے اجر وثواب کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خصوصی ذکر کے بارے میں خود ہی فرما رکھا ہے ''وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ '' (العنکبوت: ۴۵) یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے اس لیے اس سب سے پیارے نام کا

ذکر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے نہ کہ اسے روکنے کے لیے تاویلوں اور دلیلوں کے انبار لگا کر دیوار چین دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے چار ظاہری اور محسوس شعائر، اللہ کا رسول ﷺ، اللہ کی کتاب، اللہ کا گھر اور اللہ کی عبادت کے لیے نماز ہیں۔ نماز کی حیثیت ایک ادارہ کی سی ہے جو اللہ کے دین اسلام کے عقائد، اس کی تنظیم اور اس کے مقاصد کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، وحدت انسانیت اور مقصود حیات کے اظہار کے لیے یہ ایک مربوط نظام ہے جسے پوری دنیا میں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ملت اسلامیہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ نماز کی ادائیگی چند کلمات کے پڑھے جانے کا نام نہیں بلکہ اللہ کے دین کا شعور پیدا کرنے اور اسے ترقی دینے کے لیے ہر روز پانچ مرتبہ منعقد کی جانے والی ایک اہم تقریب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت میں سرشار قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب انہیں زمین پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے تو وہ اس میں نماز اور زکوٰۃ کا نظام نافذ کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت صلوٰۃ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھے ہوئے ہے اور دیگر شعائر اسلام کی طرح یہ بھی امت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں معاون اور دنیا میں اللہ کے دین کا بول بالا کرنے اور وحدت انسانیت قائم کرنے کی ضامن ہے۔

ذاتی طور پر مومن کے لیے نماز انتہائی قرب کی کیفیات کا نام ہے اس لیے اسے معراج المومن کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی منازل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے خیال کو اپنی دنیا سے باہر نکال کر ذہن کی اس کیفیت سے استفادہ کرنا پڑے گا جسے حضوری والی نماز کہا جاتا ہے۔ نماز اتنی عظیم حقیقت ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات کے دوران آپ کی زبان مبارک پر آنے والے آخری الفاظ میں نماز کا ذکر نمایاں تھا۔

# اسلامی روحانیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں عطا کر رکھی ہیں وہ انسان کی بہتری کے لیے ہی ہیں۔ ان تمام قوتوں کو اس ڈھنگ سے استعمال کرنا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ اور نقصان کم سے کم ہو، انسان کی کامیابی کی راہ ہے۔اللہ کی دی ہوئی شریعت کسی بھی قوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ تعمیری کام لینا چاہتی ہے۔وہ خواہشات اور جذبات کو مٹانے کی بجائے انہیں حدود و قیود میں رکھنے کا حکم دیتی ہے۔وہ مومن کو یہ بتاتی ہے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے بلکہ تیرے گھر آئے ہوئے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور ساتھ ہی تفصیلی ہدایات بھی دیتی ہے کہ یہ حقوق کیا ہیں اور انہیں ادا کرنے کا احسن طریقہ کیا ہے۔ان حقوق کے ادا کرنے پر بھی روحانی ترقی کا انحصار ہے۔

اللہ کے دین کی تعلیم اس قدر متوازن ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے از سرتاپا خیر ہی خیر بن گئی ہے۔روحانیت کے حصول کے جو طریقے بتائے گئے ہیں وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہیں۔اسلام میں روحانی ترقی اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ تعلیم ہرگز نہیں دی جاتی کہ اپنے جسم کو مسلسل فاقوں اور چلہ کشی کی مشقتوں سے کمزور اور بے کار بنا دو، مسلسل روزے رکھو ،ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دو، شادی نہ کرو، چپ کے روزے رکھو، ننگے رہو، دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا بیٹھو یا حبس دم کی ریاضتوں میں پڑ کر سانس لینا بھی بند کر دو۔

اسلام اس دنیا میں رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا ایسا لائحہ عمل عطا کرتا ہے جس پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا کی تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہوئے اور تمام حقوق احسن طریقے سے ادا کرتے ہوئے اللہ کے انتہائی قرب کی منازل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کے چند صحابہ نے اللہ کی رضا کے حصول اور روحانی ترقی کے شوق میں شادی نہ کرنے، ساری رات اللہ کی عبادت کرنے اور مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ ﷺ کو ان کے ارادوں کے بارے میں اطلاع ہوئی تو ان اصحاب کو طلب کر کے پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا ارادہ کیا۔ انہوں نے اس امر کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے انہیں اس طرز زندگی سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا شادی نہ کرنے سے حاصل ہو سکتی تو اس پر سب سے پہلے میں عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں اور میرے بچے بھی ہیں۔ اگر اللہ کا قرب ساری رات جاگ کر نوافل ادا کرنے سے حاصل ہو سکتا تو سب سے پہلے میں یہ کام کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور پچھلی شب اٹھ کر تہجد بھی ادا کرتا ہوں۔ اگر اللہ کی محبت مسلسل روزے رکھنے سے مل سکتی تو سب سے پہلے میں اس پر عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نفلی روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ کیا تمہیں میرا طریقہ پسند نہیں ہے؟

اسلام میں جس طرح دوسری نعمتوں اور مال و دولت کے حصول کے لیے قواعد و ضوابط مقرر ہیں اور حلال و حرام کی پابندیاں عائد ہیں اسی طرح روحانیت کے حصول کی خاطر رہبانیت اختیار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ دنیا کی دولت بھی ایک نعمت ہے لیکن زیادہ دولت اکٹھی کرنے کے لیے جس طرح ناجائز ذرائع اختیار کرنا جرم ہے اسی طرح زیادہ ترقی حاصل کرنے کی خاطر دنیا کو ترک کر دینا حرام قرار دیا گیا ہے کیوں کہ رہبانیت سے نہ صرف اپنے نفس کے حقوق ضائع ہوتے ہیں بلکہ معاشرہ کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں اور دنیا کے نظام میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ حیات ارضی کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اسے آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ ہم یہاں محنت کر کے جو کچھ بوئیں گے آخرت کی زندگی میں اسی کی فصل کاٹیں گے۔ اگر ہم کھیتی کو نظر انداز کر کے اور کاشت کے کام کو ترک کر کے یہ زندگی کسی خانقاہ میں بیٹھ کر مراقبوں، چلوں اور گیان دھیان میں ہی گزار دیں تو اس زندگی میں کیا صلہ پائیں گے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے صرف اس لئے ہے کہ انسان کو اللہ کے عطا کردہ خلافت ارضی کے منصب کے لیے تیار کیا جائے تا کہ وہ یہاں کی تمام مادی اور غیر مادی قوتوں کو تسخیر کر کے ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو اسے علمی فضیلت عطا کر رکھی ہے اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سفر میں آگے بڑھتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کر سکے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائک بنایا اگر وہ زمینی قوتوں کو زیر فرمان لانے کے لیے جدوجہد ہی نہ کرے یا انہیں اپنی اطاعت میں لگانے میں ناکام رہے تو اسے ربّ العالمین کی خوشنودی کیونکر حاصل ہو سکے گی۔
اس لیے اللہ کا دین نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کو پسند کرتا ہے بلکہ ایک متوازن اور حقیقی کامیابی کا ضامن لائحہ عمل عطا کرتا ہے اور اس روحانیت کی تعلیم دیتا ہے جس میں اللہ کا عطا کردہ جوہر نا روا مشقتوں میں پڑے بغیر، قلیل مدت میں ہی اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ مسلک اللہ کے قرب و رضا کو مقصود حیات قرار دے کر کائنات کو تسخیر اور انسانیت کی خدمت کرنے کا ہے۔ مادی دنیا کی تعمیر و تسخیر اور اختراعات و ایجادات کی جدوجہد میں مومن کا جھپٹنا پلٹنا بھی خون گرم رکھنے کے لیے ہوتا ہے تا کہ منزل کبریا کی طرف اس کی پرواز میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔ اس سفر میں مومن کے کمالات کی حد برق و بخارات سے چلنے والی مشینوں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جمادات، نباتات اور حیوانات اور دیگر مادی قوتوں پر تصرف

حاصل کرنے کے بعد مزید آگے بڑھ کر روحانی لطافت کے ذریعے زمان و مکان پر دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھنے کی بنا پر مومن آفاق میں گم نہیں ہو جاتا بلکہ آفاق اس کے قلب کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں۔ مومن جب اللہ کے نور سے دیکھنے لگ جاتا ہے تو وہ زمان و مکاں کی حدوں کو پھلانگ جاتا ہے اور اس کے لیے دور و نزدیک اور ماضی و مستقبل سب سمٹ کر ایک نقطہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ مومن میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے، جس طرح لوہے کا ایک ٹکڑا آگ کی بھٹی میں تپ کر سراپا آگ بن جاتا ہے۔ آگ کی حرارت اس کے ذرے ذرے کے اندر سرایت کر جاتی ہے تو وہ صورت اور سیرت میں آگ ہی بن جاتا ہے۔ وہ دکھائی بھی آگ کی طرح دیتا ہے اور جلاتا بھی آگ کی طرح ہے۔ اس کیفیت کو وحدت الوجود کا دھندانہ بنایا جائے کیونکہ لوہا آتش صفت ہوتے ہوئے بھی لوہا ہی رہتا ہے۔ الغرض بندہ مومن شدت محبت سے مولا صفات بن جاتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو علم لدنی یعنی اپنی طرف سے خصوصی علم اور اپنے فضل سے ایسی روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے کہ عام انسانوں کے لیے ان کو سمجھنا یا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان خاص الخاص بندوں کا ذکر جا بجا فرمایا ہے اور اپنے فضل سے جو معجزات اور نعمتیں انہیں عطا فرمائیں ان کا اجمالی نقشہ اس طرح ابھرتا ہے کہ ان کی فرماں روائی انسانوں کے علاوہ جنگلی درندوں، آبی و ہوائی جانوروں اور جنات تک



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا۔ وہ ان کے حکم پر چلتی اور ان کا تخت ہوا کے دوش پر سفر کرتا تھا۔ وہ چیونٹیوں اور پرندوں کی زبان سمجھتے اور ان سے گفتگو کر سکتے تھے۔ وہ دور دراز مقامات سے بڑے بڑے وزنی مادی اجسام کو روحانی قوت کے بل بوتے پر پلک جھپکنے میں لا حاضر کرنے پر قادر تھے۔ ان کی نظریں تحت زمین اور عرش بریں دونوں کا مشاہدہ کر سکتی تھیں۔ وہ ماضی اور مستقبل کے اندر جھانک کر ازلی و ابدی حقائق سے آشنا ہو سکتے تھے۔ ان کی دعا سے آسمان سے من و سلویٰ نازل ہوتا اور دھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کے سائبان ان کے سروں پر سایہ مہیا کرتے۔ ان کا عصا ان کے ارادہ کے تحت اژدہا بن جاتا اور جب اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو پھر عصا کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان کے عصا کی ضرب سے پتھروں سے چشمے جاری ہو جاتے اور دریا کا پانی رک جاتا۔ ان کی خدمت میں بے موسم کے پھل پیش کیے جاتے۔ انہیں خوابوں کی تعبیر اور کئی دوسرے سرّی علوم عطا کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کا نفاذ ان کے ہاتھوں سے کراتا۔ وہ عجوبہ روزگار بزرگ کہیں یتیم کی کشتی توڑ کر کسی معصوم جان کو قتل کر کے اور کبھی کسی مومن کے یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت کی خاطر دیوار تعمیر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اللہ کے اذن سے پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو اپنے مبارک ہاتھوں کے لمس سے شفایاب کرنے اور مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر تھے۔ وہ مٹی سے پرندوں کی مورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑ جاتے۔ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات ان کو پہچانتے، ان کو سلام کرتے اور ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ ان کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ان کے چہرے کے تاثر سے قبلے کا رخ بدل دیا گیا۔ انہیں زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور کرسی و عرش کے عجائبات کی سیر کرائی گئی اور مکالمہ اور قرب و دیدار سے مشرف فرمایا۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں انہیں عطا کی گئیں۔ ان کے لعاب دہن کی برکت اور شیرینی نے

سوکھے چشموں کو جاری اور کھارے پانی کو میٹھا کردیا اور کھانے کی تھوڑی مقدار سے سینکڑوں آدمیوں کی سیری ہوگئی۔لعاب دہن نے جب مسیحائی کی تو سانپ کے زہر کا اثر زائل ہوگیا، آشوب چشم دور ہوگیا۔تلواروں کے زخم بھر گئے اور آنکھ سے باہر نکلا ہوا ڈھیلا پھر سے پیوست ہوکر پہلے سے بھی زیادہ روشن بصر ہوگیا۔اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر ان کی ہیبت طاری کردی اور میدان جنگ میں ان کی مدد کے لیے گھڑسوار فرشتے نازل کیے گئے۔ان کے قدموں میں بیٹھنے والے مساکین کو دنیا کی امامت و سیادت عطا ہوئی اور ان کے نامہ مبارک پھاڑ دینے والے مغرور شہنشاہ کی سلطنت کے پرزے اڑا دیئے گئے۔ان کی مخالفت میں کھڑے ہونے والے تمام نمرود، فرعون، قارون، ہامان، ابوجہل اور ان کے بھائی بند اپنی طاقت اور لاؤلشکر کے باوجود اللہ کے شدید عذاب کی گرفت میں آکر عبرت ناک انجام کو پہنچے۔ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے تحریری حکم پر دریاؤں میں طغیانی آجاتی ہے اور وہ درندوں کو حکم دے کر جنگل خالی کرا لیتے ہیں۔وہ ہزاروں میل دور لڑنے والے مجاہدین کو گھر بیٹھے دیکھ لیتے اور وہیں سے ہدایات بھی جاری کردیتے ہیں۔

المختصر یہ اسلامی روحانیت کی برکتوں اور کرشمہ سازیوں کا ایک خاکہ ہے۔لیکن یہ بات ذہن میں بٹھا لیں کہ اتنی عظیم روحانی طاقتوں کے مالک اور اللہ تعالیٰ کے منتخب اور مقرب بندے کسی لحاظ سے بھی تارک دنیا ہرگز نہیں تھے۔تقریباً سبھی نے بھرپور دنیوی زندگی بسر کی، کام کاج کیے، شادیاں کیں اور صاحب اولاد ہوئے۔ان میں بھیڑ بکریاں چرانے والے، بڑھئی، کاشت کار، طبیب، کپڑا بننے والے، لوہے اور تانبے کی صنعت کے ماہرین، تاجر، زمین کے خزانوں اور معاشیات کے ماہر، بڑے بڑے ہیکل اور محل بنانے والے ماہر تعمیرات، پہاڑوں کی گھاٹیوں کو لوہے کی دیوار سے پاٹ دینے والے انجینئر اور بڑے بڑے فاتحین اور حکمران بھی تھے بلکہ بہت سے علوم اور صنعتوں کی ابتداء ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ ہی منسوب کی جاتی ہے۔

یہی حقیقی روحانیت کی راہ ہے اور اسی پر چل کر انسان اپنا مقصودِ حیات حاصل کر سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ مومن کی فقیری کا رنگ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقرِ مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

"تمہیں کچھ خبر ہے کہ مومن کا فقر کیا ہے۔ اس کا ہدف تو ہر چیز کو مسخر کر لینا ہے۔ اس جدوجہد اور اللہ کے قرب کے نتیجے میں اس میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ مومن اگر چہ دنیائے رنگ و بو جہان شش جہات میں گھرا ہوا ہے لیکن اس کی اپنی حقیقت ان حدود سے ماوراء ہے۔ وہ خاک کا لباس پہنے ہوئے ضرور ہے لیکن خاک سے پیوستہ نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات مادی ہے لیکن مومن کی اصل عالم امر سے ہے۔ وہ مرکز کائنات ہے۔ تمام کائنات اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اسی کے گرد طواف کر رہی ہے۔"

اس دستورِ حیات کے تحت مردِ مومن جدوجہد سے بھرپور زندگی بسر کرتا ہوا اللہ کے قرب و دیدار کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی نعمتوں اور کاروباری گہما گہمیوں میں گھرا ہوا ہو تب بھی اس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔ اس کی راحت کا سامان اور قلب کا اطمینان نماز اور اللہ کا ذکر بن جاتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ قلبی طور پر دنیا و مافیہا کی محبت اور خوف و حزن سے آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لائحہ عمل کو آپ اسلامی روحانیت، اسلامی تصوف، سلوک و طریقت، احسان و حکمت یا اخلاصِ عمل میں سے جو چاہے نام دے لیں لیکن یہ انسانی جبلت اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ عالمگیر شریعت کی سچائی



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

معلوم کرنے کی ایک پرکھ یہ ہوتی ہے کہ اگر اس تعلیم کو پوری دنیا اپنا لے تو ہر طرف امن و امان اور ترقی و خوشحالی کا دور دورہ ہو جائے اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔

اب ذرا رہبانیت کی تعلیم کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں۔ خدانخواستہ اگر دنیا کے سارے انسان رہبانیت کو اپنا کر لنگوٹیاں پہن لیں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں، پہاڑوں، مندروں اور خانقاہوں میں جا بسیں تو دنیا کا جو حال ہوگا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے روحانی طاقت اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے جو طریقے تعلیم فرمائے ہیں، وہ انتہائی سہل العمل اور سریع الاثر ہیں۔ اسلام کے تصوف میں نہ مسلسل فاقے کرنا ہے نہ گوشہ نشینی ہے۔ نہ ہی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں میں جانے کی اجازت ہے۔ نہ راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ نہ خانقاہوں میں بند ہو کر چلے کاٹنے پڑتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ طریقے اس قدر موثر ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے برسوں کا راستہ مہینوں میں طے ہوتا ہے اور وہ روحانی دولت حاصل ہوتی ہے جو کسی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس فطری عمل میں روحانیت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ہے وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے اور کام کاج کے دوران ہر جگہ اور ہر وقت کیا جاتا ہے۔ اس ذکر کی اہمیت اور فضیلت پر قرآنی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث شاہد ہیں۔ ذکر اللہ کا یہ طریقہ اس قدر آسان ہے کہ اس کے لیے مطلق وقت درکار ہی نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ذکر سانس کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی جو دم غافل سو دم کافر والے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ بقول شاعر:

مرد بن، غافل نہ ہو، ذکر خدا سے پیار رکھ
ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

اس ذکر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللّٰہ اور جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی لفظ اللّٰہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ دل کہے اور کان سنیں ۔اس راہ پر چلنے کے لیے جو دو باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں وہ استعداد اور استاد ۔یعنی انسان کے دل میں حصول مراد کے لیے طلب صادق موجود ہو اور اس کے ساتھ مرشد کامل میسر آجائے ۔ یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں تو اللہ کے فضل و کرم سے منزل نزدیک اور آسان ہو جاتی ہے ۔جب اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہو چکا ہے اور کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس میں شامل نہ ہو تو پھر روحانی قوت اور فقیری کے حصول کے لئے اسوہ رسول مقبول ﷺ کے علاوہ اور شریعت سے باہر کسی دوسرے طریقے کی ضرورت محسوس کرنا دین کاملیت سے انکار کرنے کے مترادف ہے ۔اسلام کے تصوف میں ایک سالک دنیا کے سارے کام احسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے اور تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی نعمت سے مشرف ہو سکتا ہے ۔اس تصوف کی ترویج کے لیے اس صدی کے عظیم صوفی اور روحانی علوم کے محقق بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ قائم فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆

# مومن کی ایک جھلک

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور یوم آخرت پر ایمان انسان کے خیالات اور کردار میں ایک حسین انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ مومن اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر لیتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق، مالک اور حکمران ہے۔ ہر جاندار اور ہر کام کے انجام کی ڈوری اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر واقعہ اور ہر حادثہ اس کے اذن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو اس بھلائی کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی دوسرا اسے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور کہکشائیں سب اسی کی زیرِ فرمان گردش کر رہے ہیں۔ وہ چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سن لیتا ہے اور ہمارے سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو جانتا ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ زندگی، صحت، قوت، دولت، منصب اور عزت سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنی مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے مارے، جس کو چاہے بنائے، جس کو چاہے بگاڑے، جس کو چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔ یہ قدرت مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان عقائد کی وجہ سے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کی برکت سے مومن کو اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ خوف و حزن کی کیفیات سے نجات حاصل

کر لیتا ہے کیوں کہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ ہماری کوشش اور محنت کے مطلوبہ نتائج اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک خالق کائنات کی منظوری شامل حال نہ ہو۔ جس طرح بس یا ہوائی جہاز کے مسافر اپنے جیسے ایک انسان ڈرائیور اور پائلٹ کی عقل اور مہارت پر بھروسہ کر کے راستے کی ٹریفک اور دشواریوں سے بے نیاز ہو جاتے اور بے فکری سے سفر کرتے ہیں اسی طرح مومن پوری کائنات کے نظام کو چلانے والے علیم و حکیم حکمران پر توکل کر کے تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کر لیتا او رزندگی کے معاملات اور رزق کی کمی بیشی کے تفکرات سے آزاد ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گر خدا داری زغم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

چھوٹے بچے اپنے باپ کے بھروسے پر ہر غم سے آزاد بے فکری کی زندگی گزارتے ہیں حالانکہ وہ محدود ذرائع کا مالک اور تھوڑا سا پیار کرنے والا ایک فانی انسان ہوتا ہے۔ تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والے، ہر چیز کے مالک، حیّ و قیّوم اور رحمٰن و رحیم اللّٰہ پر ایمان رکھنے والا مومن کس طرح غم روزگار میں مبتلا رہ سکتا ہے۔ مومن دنیا اور آخرت کی ہر بہتری کے حصول کے لیے حتی المقدور سعی اور جد و جہد کرتا ہے لیکن اپنی کوشش اور ذرائع پر بھروسہ ہرگز نہیں کرتا اور حسبِ دل خواہ نتائج کے لیے اللہ سے مدد طلب کرتا ہے وہ دنیوی ترقی، کاروبار کی وسعت، فراخیٔ رزق، نعمتوں کی فراوانی اور اپنی اولاد کی کامرانی کو اپنی ذہانت، محنت یا اسباب کی موافقت سے ہرگز منسوب نہیں کرتا بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا نتیجہ گردانتا ہے اور ان پر فخر و تکبر ہرگز نہیں کرتا۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آن پڑے یا رزق میں تنگی آ جائے تو اسے بھی اپنے اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

وہ امیری غریبی اور دکھ سکھ دونوں کو اللہ کی طرف سے آزمائش جانتے ہوئے نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالانے والا اور مصائب کو خوشی سے برداشت کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ ہر آن اللہ کے فضل اور اس کی رضا کا متلاشی رہتا ہے اور خود بھی ہر حال میں اپنے ربّ سے راضی رہتا ہے۔ وہ دنیا میں بڑا بن کر نہیں بلکہ اللہ کا عاجز بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے اس لیے نہ تو وہ کسی کا حق غصب کرتا ہے نہ ہی زور و ظلم یا مکر و جبر سے دوسرے انسانوں پر فوقیت اور حکمرانی کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ توحید الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا بھی علم بردار ہوتا ہے وہ اپنی فکری صلاحیتوں، روحانی اہلیتوں اور مادی وسائل کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اللہ ربّ العالمین پر ایمان کی بدولت مومن کو پوری کائنات میں کوئی بھی چیز بے گانی اور اجنبی محسوس نہیں ہوتی کیوں کہ وہ سب کو اپنے حقیقی مالک اور محبوب آقا کی پیاری رعیت سمجھتا ہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے ہی سے اس کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس طرح اس کی محبت، ہمدردی اور خدمت مخصوص دائروں کی پابند نہیں رہتی اور وہ عالمگیر محبت کا علم بردار بن کر اللہ کی ساری مخلوق کا خیر خواہ بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ ہی کسی سے مدد کی توقع رکھتا ہے اس لیے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہوتی اور وہ تلواروں کی چھاؤں میں بھی کلمہ حق بلند کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ متواضع اور منکسر المزاج ہونے کے ساتھ ساتھ خود دار، بلند حوصلہ اور جرات و بہادری کا پیکر بھی ہوتا ہے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ خود مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر ہمیشہ غالب رہتی ہے اور ہماری بڑی سے بڑی مشکل کا حل کرنا اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے اس لئے مومن بدترین حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، وہ رجائی ہوتا ہے اور مایوسی کو کبھی نزدیک نہیں آنے دیتا۔



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

مومن کے دل میں اللّٰہ کی محبت اور کثرت ذکر کی برکت سے ایک ایسی حرارت اور برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کی لذت میں وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنستے مسکراتے برداشت کر لیتا ہے۔ مومن کا مرنا اور جینا اللہ کے لیے ہو جاتا ہے وہ اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ اللہ کی راہ میں اگر اسے اپنی جان بھی دینی پڑے تو اس طرح خوشی سے دے ڈالتا ہے گویا پردیس سے اپنے وطن جا رہا ہو، کیوں کہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی آخرت کی ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلے میں عارضی اور گھٹیا ہے اس لیے وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع کر دیتا ہے اور دنیا اور اس کی کسی چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت وہ لذت اور کشش ہے کہ مومن کی نگاہوں میں اس کے حسن کے سوا اور کچھ جچتا ہی نہیں۔ مومن کی زندگی کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کو کمال تک پہنچائے۔ ایمان کی ابتداء اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود محبوب اور مقصود و مطلوب تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ اللہ والے فقیروں کی صحبت کے اثر سے جب مومن کے دل میں محبت کا بیج پھوٹتا ہے تو دل ایسی انوکھی لذت سے آشنا ہوتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں دوسری ہر لذت ہیچ ہو جاتی ہے۔ اس کی بے نیازی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے قرب و دیدار کی خواہش کے سوا اور کوئی خواہش اس کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ وہ اللہ کی محبت میں اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کے تقدس اور حور و قصور کے حسن پر نگاہ التفات ڈالنا بھی اسے گوارہ نہیں ہوتا۔

علامہ اقبالؒ نے اس کیفیت کے اظہار کے لیے ''ضرب کلیم'' میں مومن کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

**مومن کی دنیا:**

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام ا س کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

**جنت میں:**

کہتے ہیں فرشتے دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن
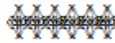
# علم کا مقام، ذرائع علم (حصول علم)

## قرآن اور تحصیل علم، آخری رسول ﷺ اور علم کا حصول

مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے حصول علم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف گزشتہ اقوام کے سائنسی علوم اور ایجادات کو بہترین انداز میں آگے بڑھایا بلکہ کئی جدید علوم کی بنیاد بھی ڈالی اور علم و حکمت کے ہر شعبے میں ایسے کارنامے انجام دیئے جو موجودہ دور کی سائنسی ترقی کی بنیاد بنے۔ مسلمان مفکرین اور محققین کی تصانیف یورپ کے کتب خانوں کی زینت بن چکی ہیں اور سادہ دل یورپین حقیقت تسلیم کرنے لگے ہیں کہ اگر اہل یورپ مسلمانوں کی قائم کردہ غرناطہ اور بغداد کی عظیم درس گاہوں میں زانوئے تلمذ کر کے ان کی جلائی ہوئی علمی شمعوں سے اقتباس نور نہ کرتے تو یورپی اقوام علم کی موجودہ بلندیوں تک ہرگز نہ پہنچ سکتیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے اس لئے اسے جہاں بھی نظر آئے، حاصل کر لے۔ اس وقت مغربی دنیا کے پاس جو علوم کے موتی ہیں وہ کبھی مسلم دنیا کی ملکیت تھے۔

علم وہنر کو کسی ایک قوم میں پابند نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو تمام اشیاء کے اسما سکھائے تھے اسی کی تاثیر سے اولادِ آدمؑ میں تسخیر و ایجاد کا ذوق وشوق رواں دواں ہے۔ عربی، ایرانی، پاکستانی، انگریز، امریکی، یورپی، روسی اور جاپانی سب آدمؑ کے بیٹے ہیں۔ جو انسان بھی اللہ کی مخلوق کی بہتری اور بھلائی کے لئے غور وفکر اور کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ بجلی، لیزر، موٹر گاڑی، ریڈیو، ہوائی جہاز، ٹیلیویژن، فریج یا ایٹمی قوت کسی بھی شخص نے ایجاد یا دریافت کی ہوں وہ تمام انسانیت کا مشترکہ سرمایہ بن جاتی ہیں۔ ان اشیاء اور علوم کی نسبت کسی خاص قوم سے باقی نہیں رکھی جا سکتی۔ نہ تو بجلی امریکن یا انگلش ہے نہ ایٹمی قوت جرمن یا روسی ہے۔ جدید علوم اور ایجادات سے استفادہ کرنے کا حق تمام اقوام کو حاصل ہے اس لئے مسلمانوں کو بھی اہلِ مغرب سے جدید علوم سیکھ کر اپنی خوشحالی اور قوت میں اضافہ کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ترقی یافتہ اقوام کے عروج کا سبب ان کی ذوقِ ایجاد، نظم و ضبط اور قوتِ عمل ہے ان کی خوش حالی کا باعث چنگ و رباب، رقص شباب، داڑھی منڈوانا اور ہیٹ پتلون استعمال کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ شراب نوشی، جنسی آزادی اور اخلاقی بے راہ روی تو قوموں کے زوال کا باعث بنتی اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہے۔ علم حاصل کرنے کے لئے کسی خاص قطع کا لباس پہننا ضروری نہیں ہوتا اس کے لئے تلاشِ حقیقت کی جستجو، باریک بین نگاہ، ہوشیار عقل اور متجسس ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیے اپنی برتر تہذیب کی حفاظت کرتے ہوئے دنیا کی ہر قوم سے جدید علوم حاصل کر کے ان کی قوت کو دینِ حق کے فروغ کے لئے استعمال کریں۔ علم و ہنر سیکھنے کے لئے دوسری قوموں کی تہذیب کا نقال بننے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے جاوید نامہ میں کیا خوب پیغام دیا ہے:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست
محکمی اورا نداز لا دینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوان شوخ وشنگ
مغزمی باید نہ ملبوس فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست
ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکرِ چالاکے اگر داری بس است
طبع دراکے اگر داری بس است

انسان کے لئے حصول علم کے چار ذرائع ہیں اور قرآن کریم نے ان چاروں کی طرف راغب کرنے کے لئے واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ سب سے پہلا اور مستند ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جس کا سلسلہ اللہ کے حبیب ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ختم ہو گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں لیکن آپ پر اتاری گئی اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم تمام دنیا کے انسانوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی کا فریضہ ادا کرتی رہے گی۔ اس کے اندر بہت سے ایسے علوم پوشیدہ ہیں جن کو صرف مستقبل کے انسان ہی سمجھ سکیں گے۔

دوسرا بڑا ذریعہ علم گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے آثار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلی اقوام کا انجام کیا ہوا۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی گزشتہ اقوام کے حالات بیان کئے ہیں جن کی مدد سے انسان کو قدیم انسانی آبادیوں کے آثار تلاش کرنے میں مدد ملی ہے۔

حصول علم کا تیسرا ذریعہ علم النفس ہے۔ یعنی انسان اپنی ذات پر غور کرے کہ میں کیا ہوں اور میری اصلیت کیا ہے؟ میں کہاں سے آیا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے؟ میرے جسم کے اعضاء کس نظم کے تحت حرکت کرتے ہیں؟ ان پر حکم چلانے والی شے کی اصلیت کیا ہے؟ جذبات، خواہشات، خیالات، ارادہ، تصور، محبت اور حزن و مسرت کی حقیقت کیا ہے؟ انسان ہنستا روتا اور سوتا کیوں ہے اور سوتے میں خواب کیوں دیکھتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم میں انسان کو اپنے اردگرد زمین میں دیکھنے کے علاوہ اپنے اندر جھانکنے اور اللہ کی آیات کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ o وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:۲۰-۲۱)

**ترجمہ:** ”اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر بھی ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟“



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

چوتھا اور آخری ذریعہ صحیفۂ فطرت کا مطالعہ ہے ۔تخلیق کائنات ، مظاہر فطرت ، دن رات کے گھٹنے بڑھنے، چاند کی بدلتی ہوئی حالتوں، ہواؤں کے چلنے، بارش کے برسنے، پھلوں کے پکنے اور قدم قدم پر چارسو بکھری ہوئی اللہ کی دیگر آیات پر غور وفکر کی دعوت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سات سو سے بھی زیادہ آیات موجود ہیں ۔بعض مقامات پر تو مستقبل میں ظاہر ہونے والے علوم کے بارے میں بھی نہایت لطیف پیرائے میں ارشادات موجود ہیں تاکہ انسان کا جذبہ خودنمائی اور ذوق خدائی کہیں رکنے نہ پائے ۔قرآن کریم کی یہ آیات ہم اگلے باب میں درج کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کے نزول سے قبل کا دور جاہلیت کا دور تھا۔اس زمانے کا علم قیاس اور توہم پرستی پر مبنی تھا ۔انسان مظاہر فطرت سے خوف زدہ ہو کر اس کی پرستش کر رہا تھا ۔انسان نے ہر طاقت وراور سمجھ میں نہ آنے والی چیز کو اپنا معبود بنا لیا اور اس طرح سینکڑوں خدا اور معبود بنا رکھے تھے ۔اسلام نے توحید کا سبق دے کر انسانوں کو باطل خداؤں کے خوف اور غلامی سے نجات دلائی۔اسلام نے یہ تعلیم دی کہ تمہارے ارد گرد جو کچھ بھی تمہیں دکھائی دیتا ہے یہ سب اللّٰہ کا پیدا کیا ہوا ہے ۔یہ سب چیزیں اللہ کریم نے تمہاری خدمت کے لئے پیدا کر رکھی ہیں اس لئے ان سے ڈرنے کی بجائے آگے بڑھ کر انہیں تسخیر کر کے اپنی سہولت کے لئے استعمال کرو اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ سے بنی نوع انسان کو جرات فکر عطاء ہوئی اور فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کرنے کا حوصلہ عطاء ہوا۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم کا مقام اتنا بلند ہے کہ اپنے آخری رسول ﷺ کا مقام ومرتبہ بتانے کے لئے قرآن میں بار بار ان کا تعارف معلم کے طور پر کرایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞ ''(البقرہ:۱۵۱)

**ترجمہ** : ”اور ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں سناتے ہیں اور تمہیں پاک بناتے ہیں اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمہیں ایسے علوم سکھاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔“

علم میں مسلسل اضافہ کرتے رہنے اور تحقیق کے کام کو آگے بڑھاتے چلے جانے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن کریم میں اپنے رسول ﷺ کو یہ دعا خود تعلیم فرمائی ہے:

قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًاo ”اے میرے ربّ میرے علم میں اضافہ فرماتے رہیے۔“

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ موجودہ علمی اور سائنسی دور کا آغاز اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی بعثت سے ہوا ہے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ہی تجرباتی سائنس نے جنم لیا کیوں کہ قرآن مجید نے قیاس آرائیوں، سنی سنائی باتوں اور توہمات پر یقین کرنے کی بجائے حواس پنجگانہ اور فہم وتدبر کو کام میں لا کر تجرباتی علم حاصل کرنے کی راہ دکھائی تھی چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا o “(بنی اسرائیل:۳۶)

”اور جس بات کی آپ کو صحیح خبر نہیں اس کے پیچھے مت پڑو بلا شبہ کان اور آنکھ اور دل ودماغ کے بارے میں پوچھ ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں اسی لئے عطا کر رکھی ہیں کہ انسان صحیح علم حاصل کر کے اللہ کی معرفت کی منازل طے کرے۔ علم کے بغیر نہ انسان اپنے آپ کو جان سکتا ہے نہ اللہ کو پہچان سکتا ہے نہ قرآن کی آیات کو سمجھ سکتا ہے نہ صحیفہ کائنات کی آیات سے معرفت کا نور حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ادراک اور قدرت کا احساس صرف اہل علم ہی کو ہو سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ﴾ (فاطر:۲۸)

**ترجمہ** : ”بے شک اللہ سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔“

انسان کی دنیوی اور اُخروی کامیابی کے لئے تعلیم و تحقیق اس قدر اہم ہے کہ جو لوگ کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نشانیوں اور اپنے جسموں کے اندر موجود آیات پر غور و تفکر نہیں کرتے قرآن انہیں حیوانوں سے بھی کم تر مخلوق گردانتا اور ان کا ٹھکانہ جہنم قرار دیتا ہے۔

﴿ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۹)

”ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں، ان کے دل و دماغ تو ہیں لیکن ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اُن کے کان ہیں لیکن اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے حس اور گمراہ ہیں یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

قرآن کریم میں اللہ رحیم و کریم کئی مقامات پر ہماری سہولت کی خاطر بڑی عام فہم اور دل نشیں مثالیں بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ حقیقت جان سکیں۔ کئی لوگ کم علمی کی وجہ سے اتنی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے کہ مثالوں کے ذریعے ہی اصل حقیقت کا ادراک کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی علم کی فضیلت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت:۴۳)

ترجمہ: ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور اسے سمجھیں گے وہی جو اہل علم ہیں۔''

علم کی اس قدر اہمیت اور اللہ تعالیٰ کے تاکیدی احکام کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے علم کی ترویج کے لئے خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کی دکھائی ہوئی روشنی اور دی ہوئی تعلیم ہی سے تحقیق و تسخیر کے نئے دور کی ابتدا ہو رہی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ نسل انسانی کو غفلت اور جہالت کی نیند سے بیدار کر کے حصول علم کی روشن راہ پر ڈالا جائے۔ محسن اعظم ﷺ نے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٌ کا حکم فرما کر ہر مسلمان مرد اور عورت کو پابند کر دیا کہ وہ ضرور علم حاصل کرے۔ آپ ﷺ نے اس فرض کو وقتی اور عمر کے صرف ابتدائی حصہ تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ گود سے لے کر گور تک علم حاصل کرنے کی تاکید فرما کر تحصیل علم کو پورے عرصہ حیات پر پھیلا کر ایک مسلسل علم میں تبدیل کر دیا انسان کے سامنے انفس و آفاق کے وسیع و عمیق میدان اللہ کی آیات سے بھرے پڑے ہیں۔ انسان کے اندر اور کائنات کے ذرے ذرے میں عجائبات و طلسمات کے جہان پوشیدہ ہیں جو انسان کی علمی صلاحیت اور تسخیر کی قوت کے لئے چیلنج ہیں۔ ان معرکوں کو سر کرنے کے لئے ہر چیز کے بارے میں تفصیلی علم حاصل کرنا ہوگا۔ انسان کی انفرادی زندگی تھوڑی سی ہوتی ہے اور علوم کی کوئی حد ہی نہیں ہے اس پس منظر میں انسان کے لئے کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ تا دم مرگ علم کی جستجو میں لگا رہے تا کہ علم کے وسیع سمندر سے اپنا مقدور بھر حصہ حاصل کر کے اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کر سکے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے علمی ماحول کو وسعت اور دوام عطا کرنے اور تدبر و تفکر کی قندیلیں ہر جگہ اور ہر وقت روشن رکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اس مومن میں کوئی

بھلائی نہیں جو نہ تو طالب علم ہو اور نہ استاذ‘‘۔یعنی مومن کا علم کے ساتھ تعلق دائمی ہونا چاہیے یا تو اسے حصول علم کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہونا چاہیے یا پھر اس نور کو دوسروں تک منتقل کرنے کے مقدس کام میں مشغول ہونا چاہیے۔علم و حکمت کی پیاس بجھانے کے لئے دور دراز ملکوں میں بسنے والی قوموں تک پہنچنے کا شوق دلاتے ہوئے آپ نے چین جیسے دشوار گزار ملک کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

’’اُطْلُبُو الْعِلْمِ وَ لَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ‘‘ علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین جانا پڑے اس فرمان عالی شان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن علوم کی تلاش کیلئے چین جانے کے لئے فرمایا جا رہا ہے وہ شرعی علوم نہیں بلکہ تسخیر کائنات اور تزئین حیات سے متعلقہ سائنسی علوم ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں امت مسلمہ کے لئے راہنمائی بھی ہے۔قرآن کریم کے مطابق بت پرست، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے اور وہ مسلمانوں کے خلاف آپس میں متحد رہیں گے۔یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو ان قوموں سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔اس لئے موجودہ انحطاط کے دور میں جب مسلمان سائنسی علوم اور صنعتی مہارت میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں یہود و ہنود یا عیسائی ملکوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مسلمانوں کو فنی مہارت منتقل کر کے انہیں ترقی کرنے میں مدد دیں گے **ایں حال است و محال است**۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان سے اچھا سلوک اور مروت کا برتاؤ کرنے سے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا۔دریں حالات امت مسلمہ کو یہود و ہنود اور مشرک قوموں سے منہ موڑ کر چین یا دیگر اقوام کی طرف منہ کرنا چاہیے اس طرح اللہ کے حکم کی نافرمانی سے بھی بچ جائیں گے۔حصول علم کی اس قدر تاکید و ترغیب اور تلقین کے نتیجہ میں

امت مسلمہ نے زندگی کے ہر شعبے میں حیرت انگیز اور بے مثال ترقی کر کے اقوام عالم کی قیادت تھام لی اور علم کے نور کو پوری دنیا میں پھیلانے کا عمل بھی جاری رکھا۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی ایک پر از حکمت اور جامع دعا احادیث میں درج ہے جس کا ایک ایک لفظ جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے آپ ﷺ یہ دعا اکثر مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقُ کُلِّ الاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ ۔

"اے اللہ! ہمیں تمام اشیاء کی اصل حقیقت سے آگاہ فرما" اس دعا کے الفاظ 'ہمیں' 'تمام' 'اصل حقیقت' خاص توجہ کے قابل ہیں، ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حقائق اشیاء کا علم صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ امت کے ہر فرد کے لئے طلب فرماتے تھے اور بلا استثنٰی کائنات کی ہر چیز کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا مقصود تھا۔ علم و آگاہی کے اس بلند معیار تک پہنچنے کے لئے ہر شے کو غور و فکر سے دیکھنا اور اس کی حقیقت سمجھنے کے درپے ہو جانے کی روش اپنانی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ختم الرسل دانائے سبل ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلتَّفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْر مِنْ عِبَادَتِہٖ سِتِّیْن سَنَۃ" یعنی ایک گھڑی تفکر و تدبر میں گزارنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ تفکر ہی سے نئے نئے انکشافات ہوتے اور جدید علوم کے دروازے کھلتے ہیں۔ ان علوم سے عام انسانوں کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ عقل سلیم رکھنے والی مومن اور عبقری شخصیات پر جب نئے حقائق کے دریچے کھلتے ہیں تو وہ اللہ تعالٰی کی صناعی کی عظمت کے سامنے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے رکوع و سجود کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور ان کی نمازیں خشوع و خضوع سے معمور اور حضوری کی کیفیت والی بن جاتی ہیں۔ معلم انسانیت ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالٰی کا علم۔ پھر کہا گیا کہ ہم آپ سے عمل کے بارے میں عرض کر رہے ہیں اور



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

آپ ﷺ علم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا سا عمل بھی نفع بخش ثابت ہوتا ہے کہ اگر اللہ کا علم ہو، اور اگر اللہ کا علم نہ ہو تو کثرت عمل بھی بے کار ہے۔ تدبر و تفکر کی اہمیت اسی لئے زیادہ ہے کیوں کہ اسی کے نتیجہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور حقیقت اشیاء معلوم کرنے کے لئے تجرباتی سائنسی یعنی تفکر بالمشاہدہ کے علاوہ تفکر بالمراقبہ کا طریقہ بھی ہے اس راہ میں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ من آئینے کی طرح شفاف ہو جاتا ہے اور روح براہ راست حقیقت کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیر و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

من کی دنیا میں سفر کرنے والے یہ مردان حق ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتے ہوئے آیات کائنات میں تفکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں حقیقت سے آشنا کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں، جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی علم کے ساتھ دلچسپی کا اندازہ ایک تاریخی واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا لیکن جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ حضور ﷺ کی ترغیب و توجہ اور علم کی قدر افزائی سے پڑھنے پڑھانے کا شوق بڑھتا چلا گیا اور علم کے چرچے گھر گھر ہونے لگے اور اشاعت علم کا کام زندگی کا مقدس اور قابل رشک شعبہ بن گیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کوئی ایسا کام ہے جس کی حسرت آپ کے دل میں باقی ہو، تو آپؓ نے فرمایا: ہاں! میرے دل میں یہ حسرت ہے کہ کاش میں ایک معلم ہوتا۔ وہ ایسا کیوں نہ کہتے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"**بعثت معلما**" .................... "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"۔

# آیات کتاب اور آیات کائنات

اللہ تعالٰی نے پوری انسانیت کی ہدایت کے لیے اپنے آخری رسول ﷺ کے توسط سے قرآن مجید نازل فرمایا اور اس میں مظاہر فطرت پر تدبر و تفکر کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالٰی جہاں قرآن کریم میں درج کلمات کو اپنی آیات قرار دیتا ہے، وہاں کائناتی رازوں اور مظاہر فطرت کو بھی اپنی آیات کا نام عطا فرماتا ہے۔ انسان جب سے اس دنیا میں آیا ہے وہ اپنے اردگرد موجود چیزوں کا جائزہ لے کر انہیں مفید مقاصد کے لیے استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔ آیات کائنات پر غور وفکر کرنے سے ہی انسان کے لیے ایجادات کی راہ کھلی۔ اس طرح نسل انسانی قدم بہ قدم ترقی کرتی ہوئی لاکھوں برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد موجودہ مقام تک پہنچی ہے اور اب بھی خوب سے خوب تر کی تلاش میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہر دور کے انسان نے اپنے اردگرد موجود آیات کائنات پر غور وفکر کر کے اپنے علم میں اضافہ کیا اور اس کی بدولت زندگی پُرسہولت ہوتی چلی گئی۔ ابتدائی دور کے انسانوں نے جانوروں اور پرندوں کو دیکھ کر ہی درختوں کے پتوں، پھلوں اور گوشت کو اپنی غذا کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ پرندوں کے گھونسلوں کو دیکھ کر ہی اپنے لیے گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بنانا شروع کیں۔ مکڑی کو جالا بنتے دیکھا تو کپڑا بننے کا خیال آیا۔ گول پتھروں کو دوسرے پتھروں کی نسبت زیادہ دور فاصلے تک لڑھکتے دیکھ کر پہیہ ایجاد کرنے کی سوجھی۔

الغرض انسان کے اردگرد فطرت کے بے شمار نظارے انسان کی صلاحیتوں کو دعوت فکر و عمل دینے کے لیے موجود ہیں، اگر انسان اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ چیزوں کو غور سے دیکھنے کی عادت ڈالے اور ان آیات کائنات کے پیغامات کو دل و دماغ سے سمجھنے کی جستجو کرے تو علوم کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس نوعیت کا ایک بڑا اچھا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اپنے بھائی کی لاش ٹھکانے لگانے کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں اس مردہ جسم کو اپنے ساتھ لیے پھرتا رہا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایک کوّے کو بھیجا جس نے قابیل کے سامنے اپنے پنجوں سے زمین کھود کر گڑھا بنانے کا مظاہرہ کیا۔ اسے دیکھ کر قابیل نے بھی قبر کھودی اور بھائی کی لاش کو اس میں دفن کر دیا۔ انسان نے بعض جنگلی جانوروں کو بیماریوں کے علاج کے لیے خاص قسم کی جڑی بوٹیاں استعمال کرتے دیکھا۔ اس نے بھی یہی طریقہ اپنا لیا۔ اس طرح آج کا انسان پانی میں تیرنے والے جانوروں اور ہوا میں پرواز کرنے والے پرندوں کی بناوٹ کا مطالعہ کر کے سمندری جہازوں، آبدوزوں اور ہوائی جہازوں کے کامیاب ڈیزائن بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ حصول علم کا یہ مشاہداتی طریقہ اب بھی جاری ہے اور ہزاروں جانوروں اور پودوں کی زندگی اور عادات و خصائل پر ریسرچ کی جا رہی ہے اور تحقیق کے نتائج سے بنی نوع انسان کو ہر ممکن فائدہ پہنچایا جا رہا ہے ہر دور کے انسان کی طرح آج کا انسان بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں ترقی یافتہ ہو گیا ہوں لیکن حقیقت تو یہ ہے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے جس طرح ہم نے آج سے سو برس قبل وجود میں آنے والی ایجادات کو عجائب گھروں کی زینت بنا دیا ہے بالکل یہی سلوک ہماری موجودہ الٹرا ماڈرن مشینوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ انسان اپنی کوشش سے زندگی کے ہر شعبے میں انقلابی تبدیلیاں لے آیا ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ

انسانی دماغ کی اہلیت کا ابھی تک صرف دسواں حصہ ہی استعمال ہوا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب یہ دماغ پوری طرح روبہ عمل ہوگا تو یہ دنیا کیسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انفس و آفاق میں تفکر و تدبر کا جو حکم فرمایا اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں بے شمار نئے علوم جنم لے چکے ہیں اور تحقیق و تفتیش کے دوران اس طرح حیرت انگیز اور ایمان افروز حقائق سامنے آ رہے ہیں کہ علمائے فطرت یعنی سائنس دان اللہ کی ہستی کے قائل ہو کر قرآن کی صداقت کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ پیشین گوئی کر رکھی ہے کہ علمی اور سائنسی سفر انسان کو اللہ کے قریب لے آئے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾

''ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ اللہ کا دین حق ہے''۔

قرآن کریم کی جن آیات میں کائنات کے متعلق تفکر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے ان میں سے چند یہاں درج کی جا رہی ہیں تاکہ قرآنی تعلیم اور ماڈرن علوم میں جو تعلق ہے واضح ہو جائے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرہ: ۱۶۴)

**ترجمہ:** ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور بادل جس کو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور

زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کے لیے آیات یعنی نشانیاں ہیں۔"

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (الرعد:۳۔۴)

"اللہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے ہر طرح کے میووں کی دو دو قسم بنائیں وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت بعض کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں بعض کی اتنی نہیں ہوتیں حالانکہ پانی سب کو ایک ملتا ہے اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں ان میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔"

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیہ: آیت:۱۳)

**ترجمہ:** "اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ تفکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔"

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (یونس:۵۔۶)

”اللہ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرو ۔ یہ سب کچھ اللہ نے تدبر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کے لیے وہ اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرماتا ہے رات اور دن کے آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں سب میں متقی لوگوں کے لے نشانیاں ہیں ۔“

﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۝ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (العنکبوت:۱۹۔۲۰)

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر کس طرح اس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے یہ اللہ کے لیے آسان ہے کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور پھر اللہ ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔“

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْہَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّہَارِ وَ ابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (الروم:۲۰۔۲۳)

”اللہ کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو کر جا بجا پھیل رہے ہو اور اس کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان سے سکون پاؤ اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ تفکر کرتے ہیں



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

ان کے لئے ان باتوں میں آیات ہیں اور اسی کی آیات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہل علم کے لیے ان باتوں میں بہت سی آیات ہیں اور اسی کی آیات میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اس کے فضل کو تلاش کرنا جو لوگ سنتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں بہت سی آیات یعنی نشانیاں ہیں۔"

آیات کائنات پر غور و فکر کی دعوت دینے والی قرآن کی تقریباً ساڑھے سات سو آیات میں سے نمونہ کے طور پر صرف چند آیات نقل کی ہیں۔ اگر ہم باریک بینی سے ان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جن آیات کا ذکر آیا ہے ان میں سے اکثر موجودہ دور میں علیحدہ علیحدہ اور مستقل علوم کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ یہ امر بہت ہی حیرت انگیز ہے اور قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ قرآن کو نازل ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں اس وقت کا انسان تو سائنسی دور میں داخل بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن قرآن مجید میں درج کئی حقائق ایسے ہیں جن کا علم سائنس دانوں کو حال میں ہی ہوا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کے آخری رسول ﷺ پر اترنے والی یہ کتاب آپ ﷺ کے دائمی معجزے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس زندہ عظیم کتاب کے وسیع علمی سمندر میں ابھی بے شمار خفیہ جزیرے اور ان گنت موتی موجود ہیں جن کا کھوج انسان کی آئندہ نسلیں ہی لگا سکیں گی۔ آنے والے ادوار کے انسان اپنے اپنے علمی پس منظر کے ساتھ جب اللہ کی کتاب میں تدبر و تفکر کریں گے تو قرآن کے نئے نئے معجزاتی پہلو، ان کے سامنے آتے چلے جائیں گے۔ اس طرح یہ کتاب ہر دور کے انسان کی فکر کو مہمیز لگا کر ترقی کی نئی نئی منزلوں کی نشاندہی کرتی رہے گی۔ قرآن کریم میں کئی واقعات جو معجزات اور محیر العقول کارناموں کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ انسان کی آئندہ نسلیں نئے علوم کے بل بوتے پر ان پر دسترس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں ان میں سے چند ہدف ایسے ہیں جن کو حاصل

کرنے کا خواب موجودہ زمانے کے سائنسدان بھی دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو جائیں۔ان کے بارے میں جو اشارے قرآن مجید میں ملتے ہیں، ان کا ذکر یہاں کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱............ اصحاب کہف تین سو برس سے زیادہ عرصہ کی نیند میں رہے، بیدار ہونے پر نہ تو ان کو جسمانی کمزوری ہوئی اور نہ ہی طویل مدت گزرنے کا احساس ہوا۔اس سے یہ ممکن نظر آتا ہے کہ انسان کو طویل عرصہ تک سُلا کر بیدار کر لیا جائے۔

۲.......... حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر لیتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح شدہ پرندوں کو پکارا تو وہ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے ممکن ہے کبھی مردوں کو بعض حالات میں زندہ کیا جا سکے۔

۳........ حضرت عزیر علیہ السلام برسوں تک سوئے رہے اور اتنے طویل عرصے میں ان کا کھانا گلنے سڑنے سے محفوظ رہا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے ماکولات و مشروبات کو طویل مدت تک محفوظ کرنا ممکن ہے۔

۴........ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار برس سے زیادہ بتائی گئی۔ممکن ہے علماءِ فطرت کو طوالت عمر کا راز معلوم ہو جائے۔

۵........ سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام ان کے جیل کے ساتھیوں اور شاہ مصر کے خوابوں اور یوسف علیہ السلام کا ان کی صحیح تعبیر بتانے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر کا علم حقیقی ہے اور سائنسی خطوط پر مدون کیا جا سکے گا۔

۶........ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانی قوت سے اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض سے ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال ہو گئی تھی ۔ حضور ﷺ کے لعاب دہن سے مریضوں کو شفا ملی اور ہمارے صوفیاء کرام روحانی طاقت سے بیماریاں سلب کر لیتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ روحانی طریقہ علاج مضبوط بنیاد رکھتا ہے اور مستقبل میں مقبول عام ہو سکتا ہے ۔

۷...... حضرت سلیمان علیہ السلام جانوروں کی زبان جانتے اور ان سے باتیں کر لیتے تھے ان کی زبانوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل کی جا چکی ہیں اور ان سے کام لیا جا رہا ہے ۔

۸........ گزشتہ زمانے میں کئی اقوام اللہ کے عذاب سے ہلاک کر دی گئیں ۔ ان میں سے کئی ایک کی ہلاکت زوردار آواز چنگھاڑنے سے ہوئی تھی ۔ ان واقعات سے یہ امکان دکھائی دیتا ہے کہ تباہی کے لیے صوتی ہتھیار بھی تیار کیے جا سکتے ہیں ۔

۹....... اللہ تعالیٰ ایک دانہ کی مثال دیتے ہیں کہ اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر خوشے میں سو، سو دانے نکلے اور اللہ چاہے تو اس سے زیادہ بھی کر دے ۔ زرعی سائنسدانوں کے لیے یہ ایک امید افزا پیام ہے کہ ایک من بیج ڈال کر سات سو من یا اس سے زائد فصل حاصل کی جا سکتی ہے ۔

۱۰....... حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی نے ملکہ سبا کا تخت دور دراز فاصلے سے پلک جھپکنے میں لا حاضر کیا تھا ۔ عین ممکن ہے کہ آواز اور تصویروں کی طرح کسی وقت ٹھوس مادی اشیاء کو بھی برقی لہروں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو جائے ۔

۱۱۔۔۔۔ سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (الرحمن: ۳۳)

ترجمہ: ''اے گروہ جن وانس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ یعنی حدود سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکو گے۔''

''اس آیت سے انسانوں کو یہ پیغام ملا کہ اگر تم مناسب قوت اور غلبہ حاصل کر لو تو کشش ارضی اور نظام شمسی کی حدود سے باہر نکل کر خلا کی تسخیر کرنے کے اہل ہو سکتے ہو۔''

۱۴......... قرآن کریم میں سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۲۹ اس دور میں اٹھائے جانے والے اس سوال، آیا کہ دوسرے سیاروں میں آبادی کا امکان ہے، جس کا بڑا واضح جواب مہیا کرتی ہے۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کو جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں وہ جب چاہے ان کو جمع کر دینے پر قادر ہے''۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی اللہ کی مخلوق موجود ہے اور ان کا آپس میں رابطہ اور ملاپ ہو جائیگا۔

# ترک دنیا کی حقیقت

گزشتہ صفحات میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انسانی زندگی کی جو تعبیر پیش کی گئی ہے اس کے مطابق ایک مومن کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ مادی کائنات کی تسخیر کا فرض بھی ادا کرے۔ اگر کوئی انسان اس حسین وجمیل کائنات سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لے اور سارا وقت تسبیح و مناجات میں ہی صرف کر ڈالے تو اس کا یہ عمل فطرت سے انحراف کے زمرے میں آئے گا۔ اللہ کا دین تو مسلسل عمل اور جدوجہد کا آئین ہے اور اس میں رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس سے دل نہ لگانا رہبانیت سے کہیں زیادہ مشکل ہے اور مشکل کام ہی ہمیشہ افضل ہوتے ہیں۔ ایک مومن کا دن میں پانچ وقت دنیا کے جھمیلوں کو چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دینا اور پچھلی رات کو اٹھ کر نماز تہجد اور فجر ادا کرنا رہبانیت سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ کمال انسانیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا سب کچھ مخلوق خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے۔ جس نے جدوجہد اور سعی و عمل کی راہ ترک کر دی اس نے گویا اپنے آپ کو انسانیت کے بلند مرتبہ سے گرا کر نباتات اور جمادات میں شامل کر لیا۔

جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

انسان کے اصل جوہر کی تکمیل کا راز ایجاد و تسخیر کے لئے مسلسل جد و جہد میں ہے۔
چونکہ انسان کی زندگی کا مقصود اللہ کی محبت کا حصول ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اللہ اور آخرت کی زندگی کو دوسری ہر شے پر ترجیح دینے کی راہ پر گامزن رہے۔ وہ حیات ارضی کے دوران اللہ کے سوا کسی بھی چیز سے دلی محبت نہ کرے اور نہ ہی کسی مقام کو اپنی منزل سمجھ کر اپنا رخت سفر کھو بیٹھے بلکہ اللہ کے قرب و رضا کی دولت اور دیدار کی نعمت کے لئے آگے بڑھتا چلا جائے۔ ترک دنیا کی حقیقت یہی ہے کہ اس کی محبت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ جس طرح سیڑھی پر چڑھتا ہوا آدمی بلند تر درجہ پر قدم رکھنے کے لئے نیچے والے درجہ سے قدم اٹھا کر اسے ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ سیڑھی کے ہر ڈنڈے اور ہر درجے کو اپنی بلند منزل تک پہنچنے کے لئے استعمال کر کے ترک کر دیتا اور بلند سے بلندتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ سیڑھی کو ہی ترک کر دے تو فرش خاک پر ہی پڑا رہ جائے گا اور اگر سیڑھی کے کسی درجہ پر تھک ہار کر یا دل لگا کر بیٹھ گیا تو اپنی منزل سے اتنا ہی پیچھے رہ جائے گا۔ بندہ مومن کے لئے تو اتنی بھی فرصت نہیں ہوتی کہ پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا ہی نکال لے۔ وہ اللہ کے دیدار کو اپنی منزل قرار دے کر اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر کرتا اور ہر لحظہ نئی آن و شان سے اپنا قدم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ وہ خود ہی مادی کائنات کا مرکز ہے اس لئے وہ اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ متاع دنیا کی محبت میں گرفتار ہونا شرک ہے اور متقین وہ ہیں جو دنیا کی محبت، مال و دولت کے لالچ اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچ گئے۔ مومن پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیتا ہے۔ وہ خالق کائنات کے در کو اپنی محبت کا مرکز قرار دے دیتا ہے اور وہاں سے نظر ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے کو بھی شرک جانتا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت کی مکمل تصویر اور مجسم تفسیر بن جاتا ہے:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾

(الانعام : ۷۹)

**ترجمہ:** ''میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اللہ کی طرف کر لیا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اس کے سوا ہر شے مخلوق ہے اور مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہوتی ہے۔ جو مخلوق ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ ایک محتاج دوسرے محتاج کا مالک اور ربّ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر شے سے غنی ہے اور وہی الٰہ ہے۔ اس کی ذات سے نگاہ ہٹا کر جس سمت بھی دیکھیں مجبور و مقہور مخلوق خالق کائنات کے سامنے سجدہ ریز دکھائی دے گی۔ جو اللہ کے در سے اٹھ جائے، اسے طاغوتی درندے اچک لیتے ہیں اور شیطانی گدھ اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے شدید محبت اور متاع دنیا سے استغناء ہی مسلمانی کی معراج اور اسلامی فقر کی روح ہے۔ مومن اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اس کی جان، اس کے مال و منال اور کائنات کی ہر چیز کا مالک اللہ ہے کیونکہ اسلام میں داخلہ متاع جان و مال کے حقوق، اللہ کے سپرد کر دینے

کے مترادف ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:١١١)

**ترجمہ:** ''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔''

یہ بھی اللہ رحمٰن و رحیم کی خصوصی محبت اور رحمت کا مظاہرہ ہے کہ جان و مال خود ہی عطاء فرمائے اور خود ہی ان کے خریدار بن گئے۔پھر دنیا کی گھٹیا اور فانی چیزوں کے بدلے میں آخرت کی اعلیٰ اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں دینے کو تیار ہیں۔اس پر مزید کرم یہ فرماتے ہیں کہ خریدا ہوا سودا مومن کے پاس ہی رہے گا تا کہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہے لیکن اب مومن اس بات کا پابند ہو جاتا ہے کہ اپنے مال و جان میں اللہ کی ہدایات کے مطابق تصرف کر سکتا ہے۔اب بتائیے کہ اس سے بڑی ترک دنیا اور کیا ہو گی کہ اپنے ہاتھوں سے کمائے ہوئے جائز مال میں بھی من مرضی کرنے کی اجازت نہیں رہی۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اگر باریک بینی سے سوچا جائے تو مادی نعمتوں اور دنیوی مراتب سے کنارہ کشی کرنے کو ترک کر دینا مناسب بھی نہیں ہے۔درحقیقت ترک کر دینے سے مراد تو یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو حاصل کر لینے کے بعد کسی اعلیٰ و برتر مقصد کی خاطر اسے چھوڑ دیا جائے۔جس شے پر ابھی دسترس ہی حاصل نہ ہوا سے ترک کر دینا چہ معنی دارد۔کوئی شخص کسی ملک کا صدر یا وزیر بننے کے بعد ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں وجوہات کی بنا پر صدارت یا وزارت ترک کر دی ہے۔

اس کے بغیر ترک کا دعویٰ مضحکہ خیز ہی سمجھا جائے گا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جدو جہد اور محنت سے دستبردار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا ترک کر دی ہے وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں کیوں کہ انہوں نے دنیا کو ہرگز ترک نہیں کیا بلکہ دنیا نے انہیں ترک کر رکھا ہے۔ جب دنیا ان کے پاس آئی ہی نہیں تو اسے ترک کرنے کا دعویٰ بے معنی ہے۔ اسلام کی تعلیم کے عین مطابق حضرت عمرؓ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ میرے ہاتھوں کو دنیا کی دولت سے بھرپور رکھ لیکن میرے دل کو اس کی محبت سے خالی رکھ۔"

الغرض یہ کہ ترک دنیا کی صحیح صورت جس میں دنیا کو چھوڑ دینا مطلوب نہیں ہے بلکہ دل کو اس کی محبت سے محفوظ رکھنا مقصود ہے۔ کیوں کہ دل اللہ کا گھر ہے اور اس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بسالینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ جن بزرگوں نے اللہ کی محبت اور معرفت کے حصول کے لئے ترک دنیا کی راہ اپنائی وہ ان کی طبعی میلانات کا نتیجہ اور ان کی اپنی ذات تک محدود تھا۔

اس امر سے سبھی واقف ہیں کہ فقیری کے سلسلہ نقشبندیہ کے سالار حضور نبی کریم ﷺ کے یار غار حضرت ابو بکر صدیقؓ اور باقی سلسلوں کے بانی حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں، اتفاق سے سب سے پہلے ایمان والے بھی یہی دونوں حضرات تھے۔ ان عظیم المرتبت صحابیوں کی زندگی کی تفصیل سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ ہے۔ انہوں نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی تئیس سالہ مصائب اور جنگوں سے معمور جدو جہد میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے متاہل اور کاروباری زندگی بسر کی اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد اپنے اپنے دور میں اسلامی حکومت کے سربراہ کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔ اگر یہ کام دنیا داری کہلاتے ہیں تو روحانیت کے یہ سرچشمے سب سے اونچے دنیادار تھے۔ جب روحانی سلسلوں کے بانیوں کی تعلیم اور عملی زندگی میں رہبانیت نام کی کوئی چیز

ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی تو یقیناً ترک دنیا کی یہ بدعت مسلمانوں کے دورِ انحطاط کی اختراع اور عجمی تصورات کی مرہونِ منت ہے۔ قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا آسان ترین اور یقینی طریقہ اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہے جس پر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عمل کر کے دکھایا۔ اس میں دنیا سے نفرت اور فرار کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ مسلسل جدو جہد اور عزیمت کی راہ اپنانے کی تلقین کی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کا فقر تو صفائی، طہارت، نفاست، سادگی اور بے نیازی کا حسین مرقع تھا اور دنیا کی چیزوں میں سے خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند تھی۔ ہمارے ہاں کے نام نہاد فقیروں، غلاظت میں ڈوبے ہوئے ملنگوں، بھیک مانگنے والے بابوں اور بدبو کے مجسموں کا بھلا سیدالانبیا ﷺ کے پاک وصاف اور صبر وقناعت والے اختیاری فقر کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے

جو لوگ غیر اسلامی تصورات کے زیر اثر رہبانیت کی راہ اپنا کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں وہ سب سے پہلے تو اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں کہ بغیر کسی معذوری اور شرعی جواز کے اپنی ضروریات زندگی کا بوجھ دوسروں کے سر پر ڈالتے ہیں جو کہ بہت بڑی بے غیرتی ہے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا اسلام صرف صوم وصلوٰۃ اور اوراد و وظائف تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ حج، زکوٰۃ، قربانی، فطرانہ، صدقہ اور جہاد فی سبیل اللہ جیسی عبادات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ گویا آدھے سے زیادہ ارکان اسلام کو خود اپنے ارادے سے ترک کر دینے کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ ایک اچھے اور فعال مسلمان کی تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ اپنے مسکین اور ضرورت مند بھائیوں کی بھی مالی امداد کر سکے۔

اس سلسلے میں کسی بزرگ نے بڑی سبق آموز حکایت بیان کی ہے۔ ایک درویش نے سفر کے دوران جنگل میں ایک لومڑی کو دیکھا جس کی کمر ٹوٹ چکی تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھی

وہ درویش اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا مشاہدہ کرنے کیلئے وہاں چھپ کر بیٹھ گیا کہ دیکھتا ہوں کہ اس لومڑی کے لئے رزق کا انتظام کیونکر ہوتا ہے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک شیر اپنے شکار کے پیچھے دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ اللہ کی قدرت سے اس نے جس جگہ اپنے شکار کو گرایا وہ لومڑی کے قریب ہی تھی۔ شیر نے شکار کی چیر پھاڑ کی اور شکم سیر ہو کر چلا گیا۔ اس لومڑی نے بھی ہمت کی اور سرکتی گھسٹتی شیر کے پس خوردہ تک پہنچ گئی اور اپنی بھوک مٹالی۔ درویش یہ واقعہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اللہ کی رزق رسانی پر اس کا یقین پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہو گیا۔ درویش کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ جب اس معذور لومڑی کو رزق پہنچا رہا ہے تو مجھے کیوں محروم رکھے گا۔ چنانچہ وہ بھی اللہ پر بھروسہ کر کے کسی جگہ ڈیرہ جما کر بیٹھ گیا۔ ایک دو دن تو ایسے ہی گزر گئے پھر ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ اللہ کے بندے ربّ العالمین کی رزق رسانی تو برحق ہے لیکن تجھے معذور لومڑی کی راہ پر چلنے کو اکسایا۔ تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے شیر بننا پسند نہ کیا جس نے اپنا شکار اپنی ہمت سے گرایا۔ اس نے خود بھی کھایا اور رومعذور کی کفالت کا وسیلہ بھی بنا۔ یہ ہے اسلام کی سچی اور زندگی بخش تعلیم جس میں محنت کو عظمت عطا کی گئی ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ اپنے جاں نثار صحابہؓ کے شانہ بشانہ محنت و مشقت کا ہر کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ ایک مزدور صحابیؓ کے ہاتھ پر مشقت کی وجہ سے پڑے ہوئے نشان کو اللہ کے رسول ﷺ نے بوسہ دے کر فرمایا:

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی جو اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے روٹی کماتا ہے وہ اللہ کا پیارا ہے۔

اس لئے اسلام کی فطری اور عالمگیر تعلیم میں رہبانیت یعنی ترکِ دنیا سے روکا گیا ہے۔ کیوں کہ مومن کی زندگی مسلسل جدوجہد کا نمونہ ہوتی ہے۔ اس کا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ نہ تو دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے کہ اللہ اور یومِ آخرت کو ہی بھول جائے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جانے والی نعمتوں کے آگے بھاگتا ہے بلکہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرتا اور انہیں اللہ کی طرف

سے ایک آزمائش تصور کر کے پہلے سے بھی زیادہ اطاعت گزار بندہ بن جاتا ہے۔اس طرح وہ اپنے کردار سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔اللہ کے قرب و دیدار کی منزل کی طرف اس کی پرواز میں نہ کوئی دنیوی انعام واکرام حائل ہو سکتا ہے نہ کوئی روحانی مرتبہ و مقام۔کیوں کہ اللہ کے حسن و جمال اور لذت دیدار کے مقابلے میں تمام مادی اور روحانی لذات پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتیں۔

حکیم الامتؒ اس طرز حیات کو ہی درست سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں:

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

یعنی ترک کا کمال یہ نہیں ہے کہ اس جہان آب وگل کی نعمتوں سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی جائے بلکہ کمال ترک تو یہ ہے کہ مومن مادی اور روحانی مقامات کو تسخیر کرتا ہوا آگے ہی آگے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے اور اس طویل سفر میں حاصل ہونے والی مادی اور روحانی لذات اور کوائف و واردات میں پھنس کر راستے ہی میں نہ رک جائے۔

اللہ کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے تسخیر کائنات کا عمل بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ **اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ** یعنی علم میرا ہتھیار ہے۔گویا علم کے ذریعے ہی باطل پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ جہاں علم کے نور سے باطل نظریات کو شکست دی جا سکتی ہے وہاں علم کے ذریعے فطرت کی طاقتوں اور مادے کی توانائیوں کو تسخیر کر کے مفسدین کی طاقت کو توڑنے کا سامان بھی کیا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے گروہ یعنی امت مسلمہ پر یہ فرض اللہ کی طرف سے عائد

کر دیا گیا ہے کہ وہ دین حق کے غلبہ کے لئے مسلسل کوشش کرتی رہے۔اس راہ میں علمی دعوت کے ساتھ ساتھ مسلح جہاد کرنا بھی ضروری ہے۔یہاں تک کہ باطل نظریات کی حامل قوتیں اللہ تعالیٰ کے عادلانہ نظام کے سامنے سرنگوں ہو جائیں اور پوری انسانیت پر انسانوں کی بجائے اللہ کی حکمرانی کا نفاذ ہو جائے۔اللہ تعالیٰ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

"اور کفار سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کوئی رکاوٹ اور مزاحمت باقی نہ رہے اور نظام حیات پورے کا پورا اللہ کیلئے ہو جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں امت مسلمہ کو یہ حکم فرمایا ہے کہ خوفناک ہتھیاروں، فعال ذرائع نقل وحمل اور مجاہدین کی نفری پر مشتمل اتنی موثر جنگی قوت تیار کرو کہ تمہارے دشمن ہر وقت لرزہ براندام رہیں اور کسی کو انسانوں پر ظلم وستم ڈھانے یا کمزور قوموں کا استحصال کرنے کی جرات نہ ہو۔

فرقان حمید میں واضح الفاظ میں دفاعی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ (الانفال۶۰)

"اور جہاں تک ہو سکے جنگی قوت اور گھوڑوں کو تیار رکھو اور کفار کے مقابلے کے لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔"

اتنی ہیبت ناک جنگی قوت بننے کے لئے جس جوش عمل، قوت تسخیر اور زر کثیر کی

حاجت ہوتی ہے وہ ترک دنیا کے فلسفوں پر چلنے اور بھیک کے ٹکڑوں پر پلنے والی قوموں کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الحدید میں لوہے کی افادیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے عام استعمال کی مفید چیزیں بھی بنائی جاتی ہیں لیکن اس میں جنگی تباہ کاری کا سامان بھی موجود ہے تا کہ اس کے ذریعے امتحان لیا جائے کہ کون سی قوم فولادی قوت کو اللہ کے دین کی پشت پناہی کے لئے استعمال کر کے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عزيز (الحدید:۲۵)

"اور ہم نے لوہا پیدا کیا اس میں بڑا زور ہے (جنگ کے لحاظ سے خطرہ بھی شدید ہے) اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ اللہ معلوم کر لے گا کہ کون لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے کلام کی جامعیت ملاحظہ فرمائیں کہ زمانہ قدیم کی جنگوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار تلوار و تیر وتبر کی ہیبت بھی لوہے کے سبب تھی اور جدید دور کی مشین گنیں، توپیں، بم، ٹینک، گاڑیاں، ہوائی جہاز، بحری بیڑے اور دوسرا جنگی ساز و سامان بھی صنعت فولاد کا ہی مرہون منت ہے۔ فولاد سازی کو ہمیشہ بنیادی صنعت کی حیثیت حاصل رہی ہے اور رہے گی۔ دنیا کی کوئی بھی قوم جب تک اپنے ملک میں بھاری صنعتیں قائم کر کے اسلحہ سازی میں خودکفیل نہ ہو جائے ایک طاقتور قوم بن کر نہیں ابھر سکتی۔ طاقت کے بغیر دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام ناممکن ہے اس لئے امت مسلمہ کیلئے جدید سائنسی علوم اور تکنیکی مہارت کا حصول ناگزیر ہو گیا ہے۔

قوت کا صحیح استعمال دنیا کو امن و امان اور عدل و انصاف سے بھر سکتا ہے بصورت دیگر یہی قوت ظلم و فساد پھیلا کر کرۂ ارض کو جہنم زار بنا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آج کل عارضی طور پر



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

اقوام عالم میں امریکی قوت کی اجارہ داری ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنی قوت کے بل بوتے پر دوسری تمام اقوام کو جبر، استحصال اور ظلم وستم بند کرنے اور قوانین عدل کی پابندی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے لیکن امریکہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا کیوں کہ وہ تو خود اللہ کے آئین کا باغی ہے۔ وہ تو موجودہ دور کا نمرود بن کر اپنی خدائی کا دعویدار ہے اور اپنی قوت کے سامنے پوری دنیا کو سجدہ ریز ہونے کیلئے مجبور کر رہا ہے۔ وہ حقیقی سپر پاور کو فراموش کر کے خود اپنے آپ کو سپر پاور سمجھنے لگا ہے اور بلند و بانگ دعویٰ کر رہا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی طاقت ور نہیں ہے۔ یہ غرور و تکبر ہی اس کے زوال کا سبب بننے والے ہیں امریکہ کے ہم خیال بھائی پہلے ہی ہو گزرے ہیں جو آخر کار اللہ کی گرفت میں آ کر بے نام ونشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے سپر پاور ہونے کے دعوے اور پھر اس کے انجام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۔ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ٥ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ (حم السجدہ:۱۵-۱۶)

**ترجمہ:** ''جو عاد تھے وہ ناحق زمین میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور دار ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور اس روز ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔''

تاریخ کا یہی سبق ہے کہ جس قوت کے پیچھے بھی خالق کائنات کا عطا کردہ ضابطہ اخلاق نہ تھا اس نے ہمیشہ انسانیت کو تباہی اور بربادی سے دوچار کیا ہے۔ جو انسانی گروہ اتنا اندھا ہوجائے کہ اپنے خالق کی کھلی کھلی آیات کو نہ دیکھ سکے، جو زندگی کے مقصود سے ہی نا آشنا ہو، جس کی بصیرت مادے سے ماوراحقیقتوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہو اور جو نفسانی خواہشات کی تسکین کے سوا کسی ضابطہ اخلاق کو ماننے کے لئے تیار ہی نہ ہو، اس کے ہاتھوں میں قوت کا آجانا انسانیت کے لئے ایسا ہی خطرناک ہے جیسا کہ ناپختہ عقل، نابالغ اور آوارہ نوجوان کے ہاتھ میں کوئی تباہ کن ہتھیار دے دیا جائے۔ اگر یہی قوت کسی ایسی قوم کے ہاتھ میں ہو جو خالق کائنات کے آئین کی پابند ہو تو انسانیت کے سارے دکھوں کا مداوا کر کے کرۂ ارض کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

حکیم الامتؒ کی نظم ''قوت اور دین'' از ضرب کلیم پیش ہے:

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں نشہ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
لا دیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

# دین میں جبر نہیں

جیسا کہ پچھلے مضامین میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا فرمایا کہ یہ صرف اللہ کی عبادت کرے۔یعنی اللہ کو اپنا خالق ، مالک، حاکم ، اِلٰہ اور ربّ مان کر اسی سے محبت کرے اور اسی کی بندگی کرے۔اپنی خواہشات کو اللہ کے تابع کر کے اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی حدود و قیود کے اندر رکھنا ہی عبادت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے عطاء کئے ہوئے نظام حیات کو جس کے ہر ہر شعبہ میں اس کی حاکیت کا غلبہ ہے،اسلام کا نام دیا ہے اور جو انسان اپنی روح کی پکار اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر اس میں داخل ہو جاتے ہیں ان کو "مسلمین" کے خطاب سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی کا نام ہی دین حق ہے اور یہی وہ صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ ہے جس پر چل کر ہر انسان اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیت کے مدارج کے مطابق اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (آل عمران:۵۱)

**ترجمہ:** "بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا ربّ ہے پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔"

﴿ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (آل عمران:۱۰۱)

**ترجمہ:** "اور جس نے اللہ کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے لگ گیا۔"

﴿ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (یٰسین:۶۱)

**ترجمہ:** "اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے۔"

اگر ہم اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات اوراس کے اندر موجود اشیاء پر غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ہی زبردست، علیم وخبیر، جبار وقہار اور مدبر ومنتظم حاکم کی اطاعت میں اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ سر مو انحراف کی مرتکب نہیں ہوسکتی۔ بڑے بڑے اجرام فلکی سے لے کر ایٹم کے اندر گردش کرنے والے الیکٹرون بلکہ ان سے بھی چھوٹے ذرات اللہ کے احکام کی پابندی پر مجبور ہیں لیکن انسان کا معاملہ دوسری تمام مخلوق سے مختلف ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ:۲۵۶)

**ترجمہ:** ”دین میں جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت واضح طور پر گمراہی سے الگ ہوچکی ہے تو جو انسان شیطانی لشکروں پر اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اللہ سنتا اور جانتا ہے۔“

اللّٰہ تعالٰی نے انسان کو خصوصی صلاحیتوں کا حامل بنا کر خلافت ارضی کا عظیم منصب عطا فرمایا، اس نے انسان کو فہم وفراست عطا کر کے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا اور عمل میں انتخاب کی جس قدر چاہی اپنی مرضی سے اسے آزادی دے رکھی ہے۔ اختیار کی یہ آزادی صرف انسانوں اور جنوں کو ہی حاصل ہے اور یہی ان دونوں کا امتحان ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور دنیا اور آخرت کی عدالتوں میں جزا وسزا کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اگر انسان درست فیصلہ کر کے اللہ کی بندگی کی راہ اپنا لے تو اسے ایسی نعمتیں عطا کی جائیں گی جو دوسری کسی مخلوق کو نہیں ملیں گی۔ اگر وہ بہترین ظاہری حواس اور باطنی لطائف کا حامل ہونے کے باوجود اپنے رب کو ہی نہ پہچان سکے تو سزا کا حق دار بھی صرف انسان ہی ہوگا۔ باقی کائنات احکام الٰہی کی پابند ہونے کی وجہ سے احتساب وحساب وکتاب سے مستثنٰی ہے۔ انسان کی نجات کی بھی

یہی صورت ہے کہ وہ خود اپنے ارادے سے اسلام میں داخل ہو کر احکام الٰہی کا پابند ہو جائے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

چونکہ نباتات و جمادات کو شعور و ارادہ نہیں ملا اس لئے وہ اپنی مرضی سے عمل کی راہ متعین نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی زندگی میں کسی قسم کی تبدیلی لا سکتے ہیں۔ان کے برعکس انسان کی زندگی نہ تو ایک نقطہ پر جامد ہے اور نہ ایک ہی دائرہ میں محدود ہے بلکہ اَسۡفَلَ السَّافِلِیۡن سے لے کر اعلیٰ عِلّیّین تک پھیلا ہوا وسیع میدان انسان کے ارادہ و عمل کی رزم گاہ ہے اور آخرت میں جہنم کے نچلے طبقے سے لیکر جنت الفردوس کے بلند ترین درجے تک انسانوں کو ہی داخل کیا جائے گا انسان کی تقدیر یہی ہے کہ اس کے انجام کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں اور دنیا میں حاصل کی گئی قوت اور دولت کو کس مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ ہر دوزخی کو جنت میں ایک مقام دکھا کر فرمائے گا کہ اگر تم ایمان کی راہ پر چلتے تو تمہارے لئے یہ مقام مقدر تھا اس سے وہ غمگین ہو جائے گا۔اسی طرح ہر جنتی کو دوزخ کا وہ مقام دکھایا جائے گا جو کفر کرنے کی صورت میں اسے دیا جاتا،اس پر وہ مومن اور زیادہ خوش ہوگا اور اللہ کی حمد و ثنا کرے گا۔

اس لئے دین حق اختیار کرنے کے معاملے میں انسان پر کسی قسم کا کوئی جبر روا نہیں رکھا گیا بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ انسان کو قبول حق کیلئے دعوت دی جائے۔اس کے سامنے اللہ کے احسانات اور نعمتوں کا ذکر کیا جائے۔اس کی اپنی پیدائش میں اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی آیات بیان کی جائیں۔اسے حیات ارضی اور آخرت کی دائمی زندگی کے بارے میں آگاہ کیا جائے۔ایمان کی برکات اور کفر کے نقصانات سے باخبر کیا جائے۔یہ سب کچھ بڑی حکمت و دانائی

اور پیاری پیاری نصیحتوں کے ذریعے پیش کیا جائے اور پھر بلا کراہ و جبر انسان کو خود فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے ۔اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدہر:۳)

**ترجمہ:** ''ہم نے انسان کے لئے راستے کی نشان دہی کر دی ہے اب وہ چاہے تو شکر گزار مومن بن جائے اور چاہے تو احسان ناشناس کافر۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہدایت ،نصیحت ،رحمت ،شفا ،برہان ،نور اور تذکرہ یعنی یاد دہانی جیسے پیارے پیارے نام دیئے ہیں جو کہ دعوت کی ہی نمائندگی کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی ربوبیت کے حق میں بہت ہی سادہ آسان فہم دلیلیں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مادی زندگی سے ماقبل واقعات کا بھی ذکر فرماتے ہیں تا کہ انسان کو ''عہد الست '' یاد آ جائے چنانچہ سورہ الدہر کی آیت ۲۹ اور سورہ المزمل کی آیت ۱۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾

''بے شک یہ قرآن تو یاد دہانی اور نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے ربّ کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے۔''

اللہ تعالیٰ انسان سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور اس محبت کی وجہ سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ راہ راست پر آ جائے اور دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ٹھہرے اس لئے اپنی آخری کتاب میں انسان کو مقصود حیات ،حقیقت دین اور انجام آخرت سے بار بار آگاہ کرتے ہیں:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِo اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ o اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ o جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (البینہ ۵.۸)

**ترجمہ:** ''اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں یکسو ہو کر اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سچا دین ہے ۔جو اہل کتاب میں کافر ہیں اور مشرکین وہ دوزخ میں پڑیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدا لآباد ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش یہ صلہ اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی ازلی و ابدی بادشاہت،انسان پر اپنے ان گنت احسانات ،دنیوی حیات کا گھٹیا پن اور آخرت کی بہتر اور باقی رہنے والی زندگی پر روشنی ڈالنے کے بعد ان حقائق پر ایمان لانے یا نہ لانے کا فیصلہ انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو بھی یہی طرز عمل اختیار کرنے کی تلقین فرماتا ہے کہ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں کے ساتھ بلائیں ۔مخالفین کے ناروا اور سخت رویے سے بددل ہو کر جھنجھلاہٹ اور بے زاری کا اظہار ہرگز نہ کریں بلکہ انکار کرنے والوں کی سختی کا نرمی کے ساتھ جواب دیں اگر وہ پھر بھی آپ ﷺ کی حق بات نہ مانیں تو آپ ﷺ اپنی جان اس غم میں نہ گھلا ڈالیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ۔آپ ﷺ کے ذمہ صرف میرا پیغام پہنچا دینا ہے ۔لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا آپ ﷺ کا منصب نہیں ہے اور نہ ہی آپ منکرین کے اعمال کے لئے جواب دہ ہوں گے ۔اللہ تعالیٰ یقیناً یہ قدرت رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو کوئی ایسا نشان ظاہر کر دے جسے دیکھ کر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اللہ پر ایمان لے آئیں۔لیکن انسان کے معاملے میں اللہ ہرگز ایسا نہ کریں گے کیوں کہ اس طرح کا ایمان جبر ہی کی ایک صورت قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات انسان کو خود عطا کر رکھے ہیں وہ اس سے سلب نہیں کریں گے ۔

اپنے رب کی آیات کو پہچان کر اللہ پر ایمان لانا انسان کے فہم و فراست کا امتحان ہے اور اس میں انسان کا اپنا ہی بھلا ہے۔ جو انسان کائنات کے مادی اور روحانی حقائق کو اپنی کج فہمی کی بناء پر ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے کفر کا وبال اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا۔ اس موضوع سے متعلقہ آیات قرآنی یہاں درج کی جارہی ہیں تا کہ دین حق کی دعوت کا انداز پوری طرح سمجھ میں آ جائے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الزمر: ۴۱)

''ہم نے آپ ﷺ پر کتاب لوگوں کی ہدایت کے لئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو جو شخص ہدایت پاتا ہے تو اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے اپنا ہی نقصان کرتا ہے آپ ﷺ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ (الانعام:۱۰۴)

**ترجمہ:** ''آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیں کہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے ان کو آنکھ کھول کر دیکھا اس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنے حق میں برا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔''

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (حم السجدہ:۴۶)

**ترجمہ:** ''جو نیک کام کرے گا تو اپنے لئے اور جو برے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا اور تمہارا ربّ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹)

**ترجمہ:** ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تمہارے ربّ کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (التغابن:۱۲)

**ترجمہ:** ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۲۳)

''اے لوگو! تمہاری شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا تم دنیا کی زندگی کے مزے اڑا لو پھر تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہی ہے، اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔''

﴿وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (لقمان:۱۲)

**ترجمہ:** ''اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو احسان ناشناسی یعنی کفر کرتا ہے تو اللہ بھی بے پروا اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔''

﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ﴾ (الروم:۴۴)

**ترجمہ:** ''جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (النساء:۱۷۰)

**ترجمہ:** ''اے لوگو! اللہ کے رسول تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو ان پر ایمان لے آؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو جان رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے دین میں داخل کرنے یا مسلمان بنانے کے لئے

جبر کے کسی بھی قسم کا استعمال ممنوع ہے جو انسان سچے دل سے اللہ کو اپنا معبود تسلیم کر کے اس کی اطاعت اور محبت کے صراط مستقیم پر چلنے کا فیصلہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی واضح آیات سے آنکھیں بند کر کے کفر کی راہ پر چلنے کو پسند کرے اللہ تعالیٰ اس کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے اور اسے اس کی راہ جانے دیتے ہیں اسی لئے اشاعت دین کے لئے کسی بھی دور میں جبر کا سہارا نہیں لیا گیا اور یہ الزام قطعی بے بنیاد ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کی طاقت کو زوال آنے پر لوگ اسلام سے منحرف ہو جاتے لیکن ایسا کہیں بھی نہیں ہوا۔

ذرا غور کیجئے کہ انڈونیشیا، ملائیشیا اور چین میں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ کوئی بتائے کہ تاریخ کے کون سے دور میں مسلمان فوجیں ان ممالک میں داخل ہوئیں۔ تاریخ اسلام میں تو ان ممالک کا ذکر بھی نہیں ملتا اس جدید دور میں یورپ اور امریکہ کے سنجیدہ اور تعلیم یافتہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں ان کے سر پر کون تلوار لئے کھڑا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اپنی زندگی بھی اس پر شاہد ہے۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حضور نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے لیکن مسلمانوں کو یہ ظلم و ستم صبر کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم دیا گیا اور جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد بھی قریش مکہ نے انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔ چنانچہ کفار نے خود حملے کئے اور جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب جیسی جنگیں مسلمانوں پر مسلط کی گئیں۔ جب مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا اور اللہ کی نصرت سے مکہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے اسلام کے بدترین دشمنوں سے بدلہ لینے کا بڑا اچھا موقع تھا لیکن حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے، ابوسفیان کے ہاں پناہ لے لے، اپنے گھر میں بند ہو جائے یا بیت اللہ کی حدود میں داخل ہو جائے، اس کیلئے

امان ہے۔یہ بات یاد رہے کہ اس اعلان میں اسلام قبول کرنے کی شرط شامل نہیں تھی۔

اسی طرح جب مسجد حرام میں ان جباران قریش کو اکٹھا کیا گیا جنہوں نے اسلام کی مخالفت اور حضور ﷺ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی تو انہیں دیکھ کر رحمت عالم ﷺ نے خوف انگیز آواز اور رعب و دبدبے سے پوچھا: ''تم کو کچھ معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' یہ لوگ اگرچہ جاہل، سنگ دل اور انتہائی ظالم تھے لیکن اسلام کی تعلیم اور حضور ﷺ کے مزاج شناس بن چکے تھے اس لئے پکار اٹھے کہ ''آپ ﷺ مہربان و فیاض بھائی اور مہربان و فیاض بھائی کے بیٹے ہیں اس پر آپ ﷺ نے اسلام لانے کی شرط عائد کئے بغیر ارشاد فرمایا: ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ '' آج تم پر کچھ الزام نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اگر مسلمان کسی اسلام دشمن ملک پر قبضہ کرلیں تو وہاں بسنے والے لوگوں کے مال و جان ان کی مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا مسلمان حکومت کی ذمہ داری قرار پاتی ہے اسی لئے ان غیر مسلموں کو ذمی رعایا کہا جاتا ہے انہیں اسلام لانے کے لئے کسی طور پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔دین اسلام تو بنی نوع انسان کے لئے سراسر رحمت، باعث خیر و برکت اور دنیوی و اخروی بھلائی کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ہے تمام اہل ایمان کا یہ فرض ہے کہ محبت اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت دوسرے تمام انسانوں کو اس نعمت عظمیٰ سے متعارف کرائیں تاکہ وہ بھی دنیا میں پر اطمینان اور آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ جس کسی کا سینہ حقائق اسلام کیلئے کھول دے اور اسے محبت و مودت، احترام و اکرام، اخوت و مساوات سے بھرپور معاشرہ اچھا لگے اور مسلمانوں کی صاف ستھری، خوش حال اور با کردار زندگی اس کے دل کو بھا جائے تو وہ اللہ کی حاکمیت کے نظام میں برضا و رغبت داخل ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ اسلام کی تبلیغ کا اور کوئی طریقہ

نہیں ہے۔اللہ نے انسان کو یہ آزادی خود دے رکھی ہے کہ اس زندگی میں وہ جو روش چاہے اختیار کرے۔اس کے باوجود بھی انسان اللہ کی بادشاہت اور حاکمیت سے بھاگ تو نہیں سکتا اور ہر وقت اللہ کی گرفت میں ہوتا ہے اور وہ جو سلوک چاہے اس کے ساتھ کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور بغاوت سے قطعی بے نیاز ہے۔اگر تمام انسان اللہ کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس کی حاکمیت میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوتا اور اگر سب کے سب کافر ہو کر اس کی عبادت سے روگردانی کرلیں تو اس کی حاکمیت میں ذرہ بھر کمی واقع نہیں ہوتی۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (ابراہیم:٨)

**ترجمہ:** ''اور موسیٰ علیہ السلام نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کر کے کافر ہو جاؤ تو اللہ بھی بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔''

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر اللہ کے دین کے تحت زندگی بسر کرنا انسان کی اپنی ضرورت ہے اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے کفر و ایمان سے بے نیاز ہونے کے باوجود محض اپنی رحمت کے غلبہ کے سبب انسانوں کے لئے ایمان کی راہ پر چلنا ہی پسند فرماتے ہیں۔چنانچہ ارشاد ہوا:

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (الزمر:٧)

**ترجمہ:** ''اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری یعنی کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم کو اپنے ربّ کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو

بتائے گا وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خاطر بے شمار قوتوں اور بڑے پیچیدہ نظاموں کو کام میں لگا رکھا ہے۔ اگر ہم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو ایسا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اگر انسان آنکھیں کھول کر آیات کائنات کے بارے میں غور وفکر کرے تو اس کی عقل پر پڑے ہوئے پردے اٹھ جائیں اور اس میں یہ احساس بیدار ہو جائے کہ سورج، چاند، پہاڑ، دریا، آگ، پانی، پودے، درخت، دن، رات، ہوائیں، فضائیں اور ہر وہ چیز جو اس کے تصور میں آ سکتی ہے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور یہ سب اس کے رحیم و کریم مولا و آقا نے پیدا کر رکھی ہیں۔ اس احسان شناسی کے جذبے کا نام ہی شکر ہے اور شکر ہی سے ایمان کی دولت ہاتھ آتی ہے اور ان نعمتوں سے آنکھیں بند کر کے احسان ناشناسی کرنا بہت بڑا ظلم اور کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کی فراوانی اور اس کے مقابلے میں روش انسانی کا ذکر فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۝ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

**ترجمہ:** "اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے زیر فرمان کیا تا کہ دریا میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو اس

میں کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

انسان کا دل اللہ کی رحمت اور نعمتوں کا معترف ہو جائے تو اپنے مہربان آقا کے در پر سربسجود ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ صرف زبان سے چند الفاظ ادا کرنے سے شکر کا حق ادا نہیں ہوتا جب تک دل احسان شناسی کے جذبات سے معمور نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے والدین کی شکرگزاری کا بھی حکم دے رکھا ہے، اس سے غرض یہ تو نہیں ہے کہ انسان صبح شام والدین کے سامنے حاضر ہو کر شکر کے چند کلمات دہرا دیا کرے بلکہ یہ مطلوب ہے کہ والدین اور خاص طور پر والدہ نے انسان کی پرورش کے سلسلہ میں جو مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں، ان کا احساس اور شعور پیدا کرے کہ ان کا احسان مانا جائے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ دل و جان سے اس کی اطاعت کی جائے اور دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی دی ہوئی ان گنت نعمتوں کے احساس سے بھرپور رہے اور اپنی چند ایک محرومیوں کو ذہن میں سوار کر کے ناشکرا نہ بنے۔ احسان شناسی اور شکر ہی وہ بیج ہے جس سے ایمان کے مبارک درخت کی کونپل پھوٹتی ہے، اس کے برعکس اللہ کی نعمتوں کے بارے میں بے حسی، بے قدری اور احسان ناشناسی اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کے انکار کو جنم دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (النساء ۱۴۷)

**ترجمہ:** ''اگر تم اللہ کے احسان مان کر شکرگزاری کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ تو قدر شناس اور دانا ہے۔''

اسی لئے قرآن کریم میں اکثر مقامات پر کفر اور شکر کو ایک دوسرے کی ضد کہا گیا ہے کیوں کہ شکر اور ایمان ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ نماز وتر میں پڑھی جانے والی دعا قنوت میں بھی

پڑھتے ہیں 'نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ' "اے اللہ ہم تیرا شکر کرتے ہیں اور کفر نہیں کرتے"۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اللہ کے احسانات کا بار بار تکرار کر کے انسان کے ضمیر پر براہ راست دستک دیتی ہے اور اس کے قلب میں سوئی ہوئی اللہ کی محبت کو بیدار کر کے اسے ایمان لانے پر اکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اسی طریقہ پر عمل کیا جس میں جبر کے عنصر کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ اور صلحائے امت نے بھی دعوت دین کے کام کو اسی انداز میں آگے بڑھایا ہے اور آئندہ بھی اسی طریقہ پر یہ کام جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے جتنی محبت ہے وہ کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی متفق علیہ احادیث کے مطابق اللہ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت فرماتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ حقیقی خالق تو اللہ ہی ہے، ماں نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کے سو حصے کئے اور ایک حصہ تمام مخلوقات میں تقسیم کر دیا اور باقی ننانوے حصے اپنے پاس رکھے دنیا کی ابتدا سے قیامت تک جتنی مخلوقات ہیں یا ہوں گی اور وہ اپنے دلوں میں جو پیار و محبت اور ہمدردی و شفقت ایک دوسرے کے ساتھ رکھتی ہیں یا رکھیں گی، وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کے مقابلے میں سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ محبت کا جو تعلق ہے اس کے ضمن میں ایک واقعہ عرض کیا جاتا ہے۔

ایک موقع پر کسی عورت کا بچہ قافلے میں گم ہو گیا اور اس کی ماں بچے کی جدائی میں بے قرار اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑی پھر رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس عورت کی بے قراری دیکھی تو اپنے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ یہ عورت کیوں پریشان و بے قرار ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا بچہ گم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بتاؤ اگر اس عورت کو

اس کا بچہ مل جائے تو وہ اس کو آگ میں ڈالنا پسند کریگی؟''صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں یا رسول اللہ! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ''اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ہرگز ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ بھی جہنم میں جائے۔'' اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہتا تو حضور رحمت للعالمین کیونکر ایسا چاہ سکتے ہیں۔آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے جنگل میں آگ روشن کی ہو تو پتنگے اس میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں میں بھی انسانوں کو پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کے لئے کھینچتا ہوں لیکن یہ زور لگا لگا کر اس میں گھسے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یونس۴۴)

**ترجمہ:** ''اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

اللہ رحیم و کریم کسی کو بھی جہنم میں ڈالنا نہیں چاہتے کیوں کہ جہنم کو بھرنے میں ان کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے۔انسان خود ہی اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر ہوا و ہوس اور نفس کی پیروی میں لگ کر اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص:۲۶)

**ترجمہ:** ''اور خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو انسان کی خاطر پیدا فرمایا اور ان میں ابلیس بھی شامل ہے۔اس کے ذمے یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ انسان کو ورغلاتا رہے تا کہ انسان کے کردار کی پختگی اور اللہ کے ساتھ اس کے اخلاص کا اچھی طرح امتحان ہو جائے۔ادھر انسان کو حکم ملا کہ اس دشمن سے ہوشیار رہنا اور اس کے مکر و فریب میں پھنس کر اللہ اور یوم آخرت کو فراموش نہ کر دینا۔

میری محبت اور اطاعت کے صراط مستقیم پر چلتے رہنا یہ راہ تمہیں میرے قرب کی منزل تک پہنچا کر انعام یافتہ لوگوں میں شامل کر دے گی۔ شیطان یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح انسان کو اللہ کی سیدھی راہ سے بھٹکا کر ٹیڑھی میڑھی راہوں پر ڈال دے۔ چونکہ شکر اور ایمان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لئے اس کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ انسان کو ہوا و ہوس اور طول امل میں پھنسا کر اسے اس کی محرومیوں کا احساس دلائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے صرف نظر کر کے گلے شکوے شروع کر دے اور ناشکرا بن جائے جب ابلیس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے انسان کے خلاف کام کرنے کی مہلت عطا کر دی گئی تو اس نے اسی وقت اپنے منشور کا اعلان کر دیا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہم تک پہنچا دیا ہے:

﴿قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ٥ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ٥ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْ ٭ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَ مِنْ خَلْفِھِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِھِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِھِمْ وَ لَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ﴾ (الاعراف:۱۶۔۱۷)

**ترجمہ:** ''پھر شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے تیرے صراط مستقیم پر بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

شکر گزاری کا جذبہ ہی اللہ کے قرب کا باعث بنتا ہے اسی لئے اسلام میں تسلیم و رضا پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی انسان سچے دل سے اللہ سے راضی نہ ہو تو اس کی عبادات مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتیں۔ ہماری راہنمائی کے لئے قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا بیان کی گئی ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ

اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ (النمل:۱۹)

ترجمہ: ''اے اللہ مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے صالحین میں داخل فرما۔''

اب ایک حدیث شریف بھی ملاحظہ فرمائیں۔حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد ان کلمات کو ترک نہ کرنا۔ہر نماز کے بعد یہ کلمات ضرور پڑھنا۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیۡ عَلٰی ذِکۡرِکَ وَ شُکۡرِکَ وَ حُسۡنَ عِبَادَتِکَ

''اے اللہ تو میری مدد فرما اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اپنی احسن بندگی کیلئے۔''

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس پر آڑی لکیریں لگا کر فرمایا اس پر ٹیڑھے راستے بھی ہیں اور شیطان ہر موڑ پر انسان کو بہکا کر ٹیڑھے راستوں پر لگانے کی کوشش کرتا ہے۔شیطان کے معاملہ میں بھی یہ بات یاد رہے کہ اسے اتنی طاقت نہیں دی گئی ہے کہ انسان جیسی برتر مخلوق کو جبراً صراط مستقیم سے ہٹا سکے وہ آخر ایک جن ہی تو ہے۔شیطان کے جھوٹے وعدوں اور فریب کی باتوں پر اعتبار کر کے اس کے پیچھے گمراہی کا سارا الزام گنہگاروں کے سر تھوپنے کے لئے جو حیران کن اور آنکھیں کھول دینے والا بیان دے گا اس کا ذکر بھی قرآن نے کر دیا ہے تا کہ انسان ہوش میں آ کر سنبھل جائے اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے:

﴿وَ قَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَقِّ وَ

وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراہیم:۲۲)

**ترجمہ:** ''جب حساب کتاب کا کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا جو وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا وہ تو سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تو میں نے تم سے دھوکہ کیا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا، ہاں میں نے تمہیں دعوت دی یعنی گمراہی کی طرف بلایا تو تم نے جھٹ میرا کہنا مان لیا پس تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، اب نہ تو میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ ہی تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے بے شک ظلم کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

الغرض اللہ کے دین کی قبولیت کے لئے جبر کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اللہ کے رسول علیہ السلام اور اس کے ساتھی ایمان کے لئے دعوت دیتے ہیں اور شیطان اور اس کے کارندے کفر کی دعوت دیتے ہیں۔ باقی کائنات پر تو جبر کا قانون نافذ ہے لیکن انسان کے لئے دعوت کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ حقیقی اسلام تو نام ہی قلبی تصدیق کا ہے تو پھر اس میں جبر کا کیا کام ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

# آزادیٔ فکروعمل

قرآن کریم اپنے مخصوص انداز میں اللہ کی ازلی اور ابدی بادشاہت کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور آخرت میں کفار اور مومنین کے ساتھ پیش آنے والے حالات کی تفصیل بیان کر دینے کے بعد بھی ایمان لانے یا نہ لانے کا فیصلہ انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرنے کی تلقین کی کہ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف قرآن کی آیات حکمت اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ بلائیں۔ مخالفین کے ناروا اور سخت رویے سے بددل ہو کر کبھی بھی جھنجھلاہٹ اور بیزاری کا اظہار نہ کریں۔ انکار کرنے والوں کی سختی کا نرمی سے جواب دیں۔ اگر وہ پھر بھی آپ کی بات نہ مانیں تو آپ ﷺ اپنی جان کو غم میں نہ گھلائیں کیوں کہ آپ ﷺ کے ذمہ صرف میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔ لوگوں کو ایمان پر مجبور کرنا آپ ﷺ کا منصب نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ منکرین کے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ آپ ﷺ کا پروردگار یہ قدرت رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو کوئی ایسا نشان ظاہر کر دے جسے دیکھ کر زمین پر بسنے والے سارے انسان ایک دم ایمان لے آئیں لیکن انسان کے معاملے میں اللہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے اپنے ربّ کو اس کی آیات سے پہچاننا اور اس پر ایمان لانا انسان کی فراست کا امتحان ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الزمر:۴۱)

**ترجمہ:** ''ہم نے آپ ﷺ پر کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو جو شخص ہدایت پاتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے اپنا ہی نقصان کرتا ہے آپ ﷺ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾

(التغابن:۱۲)

**ترجمہ:** ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمے تو پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مرضی سے انسان کو جو اختیار عطا کر رکھا ہے وہ اسے ضبط میں نہیں کرنا چاہتے۔ جو انسان اللہ کی راہ میں آنا چاہے اللہ اس کے لیے آسانی فرما دیتے ہیں اور جو منہ موڑ کر چل دے اس کی راہ میں بھی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے اور اسے اس کی راہ جانے دیتے ہیں اس لیے اشاعت دین کے لیے کبھی جبر کا سہارا نہیں لیا گیا حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بدترین دشمن کو بھی ایمان لانے کی شرط عائد کیے بغیر معاف فرما دیا تھا۔ مسلمانوں کے ملک میں دوسرے مذاہب کے جو لوگ بستے ہیں ان کے مال و جان، مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور انہیں اسلام لانے کے لیے ہرگز مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دین اسلام تو خیر خواہی کے جذبے کے تحت دنیوی واخروی بھلائی کے لیے نصیحت اور دعوت ہے جس کسی کا سینہ حقائق اسلام کے لیے روشن ہو جائے اور اہل ایمان کی پاک صاف اور باکردار زندگی اس کے دل کو بھا جائے تو وہ برضا و رغبت دین کے دائرہ میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو مخالفین اسلام کے ساتھ بھی خوش خلقی اور شیریں کلام سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور خبردار کیا ہے کہ شیطان ازلی دشمن کی وجہ سے

انسانوں میں عداوت اور جھگڑے پیدا کرنے سے نہیں چوکتا۔کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تمہیں بنی نوع انسان میں مذہبی تعصب کی بنیاد پر تفرقہ اور جھگڑا نہیں ڈالنا۔اللہ تعالیٰ کی ہدایت بڑے غور سے پڑھیے:

﴿وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا (بنی اسرائیل:۵۳:۵۴)

**ترجمہ:** ''اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں بے شک شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈلواتا ہے کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو عذاب دے۔اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر داروغہ بنا کے نہیں بھیجا۔''

### کفار کے جذبات کا احساس:

جو لوگ پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کے لیے ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا مومنوں کے دلوں میں اللہ کے لیے ہے۔ان کو اپنے عقائد اپنی جانوں سے بھی پیارے اور اچھے لگتے ہیں اس لیے تو ان سے چمٹے رہتے ہیں، مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات سننا ہرگز گوارہ نہیں کرتے۔ان کے نزدیک ان کے جھوٹے خدا نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے عقائد و جذبات اور احساسات کو بھی مدنظر رکھنے کے لیے جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لیے مشعل راہ ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ o وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(الانعام:۱۰۷۔۱۰۸)

**ترجمہ:** ''(اللہ کا ہدایت و کفر کا اپنا ایک نظام ہے) اگر اللہ چاہتا تو مشرکین شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ آپ ان کے داروغہ ہیں۔ اے اہل ایمان جن ہستیوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہنا کہیں یہ بھی بے سمجھے بے ادبی سے اللہ کو برا کہہ بیٹھیں تو فطری بات ہے کہ ہر امت کو ان کے اعمال ہی خوش نما لگتے ہیں (تم فکرمند نہ ہو) آخر کار تو ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ آپ ﷺ کی پوری کوشش کے باوجود سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کئی لوگوں کے دل ان کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ کی نصیحتیں اور قرآن کی آیات کا اثر ان پر بالکل نہیں ہوتا کیوں کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں اس لیے اگر مشرکین عقیدہ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر ان الفاظ کے ساتھ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجیے:

﴿قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي o فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ (الزمر:۱۴۔۱۵)

**ترجمہ:** ''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں اپنے دین کو خالص کر کے اللہ کی بندگی کرتا ہوں اے گروہ مشرکین تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو۔''

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعت قلب، تحمل اور قوت برداشت کا متقاضی ہے۔

اللہ کی طرف بلانے والے کے دل میں جب تک اللہ کی مخلوق کے لیے احترام و محبت اور شفقت و رحمت کے جذبات موجزن نہ ہوں، دعوت دین کا کام بارآور نہیں ہوسکتا۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے اور اگر کسی پر اس کے برے اعمال کی وجہ سے بدبختی غالب آچکی ہو تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ بایں ہمہ انسانیت کے ناطے اور اللہ کی مخلوق ہونے کے رشتے سے کفار و مشرکین اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور احترام آدمیت کے جذبہ کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیے اور انسانوں کی بھلائی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے اس طرز عمل کے بغیر عالم گیر معاشرے کے قیام اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنے اندر اللہ جیسی عادات و اخلاق پیدا کرو۔ اس طرح جس طرح اللہ اپنی مخلوق سے پیار کرتا اور کافر و مومن کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اسی طرح مومن کو بھی عالم گیر محبت کا اصول اپنانا چاہیے اور اپنے کسی قول و فعل سے کسی انسان کو دکھ، رنج، تکلیف یا نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔

◈◈◈◈◈◈

# انسانی فیصلہ۔روحانی مدد

یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان قطعی آزاد ہے جوانسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے اپنی ذات ،کائنات کی فطرت اور خالق کائنات کو پہچان جائے اور اللہ کے دین میں داخل ہو جائے تو اسے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کی تائیدونصرت ملے گی اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ جو شخص اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو حق شناسی کی بجائے اپنے خالق و مالک کے احکام کی خلاف ورزی میں لگا دے تو اس کا یہ اختیاری فیصلہ احکم الحاکمین کے خلاف بغاوت گردانا جائے گا اور اسی کے مطابق اس سے سلوک کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول ﷺ کے توسط سے شکر و کفر،حق و باطل ،نور وظلمات اور ہدایت و ضلالت کی راہوں کو بالکل واضح کر دیا اور دونوں راستوں کے انجام سے بھی انسان کو خبردار کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اپنی اصل صورت میں موجود اور ہر انسان کی دسترس میں ہے ۔یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں اس کے ترجمے بھی دستیاب ہیں۔ہر انسان کو چاہیے کہ تلاش حق کی سچی لگن کے ساتھ اپنی کتاب ہدایت کا مطالعہ کرے اور پھر اچھی طرح غوروفکر کر کے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنی زندگی کے بارے میں

خود فیصلہ کرے کہ آیا کروڑوں مسلمانوں کی طرح اس نے ازلی و ابدی حقائق کو تسلیم کر کے اپنے رب کی بندگی کی راہ پر چلنا ہے یا آئین خداوندی سے بغاوت کر کے من مرضی کی زندگی بسر کرنی ہے۔ اس اہم ترین فیصلے کے وقت کوئی بیرونی طاقت انسان پر اثر انداز نہیں ہوتی لیکن جب وہ اپنے انتخاب عمل کے اختیار کو استعمال کر کے ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام حرکت میں آ جاتا ہے جس کے تحت دونوں قسموں کے انسانوں کو معرفت اور امداد ملتی رہتی ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

**(البقرہ ۲۵۷)**

**ترجمہ:** ''جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ تعالیٰ ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہوئے اُن کے دوست شیطانی گروہ کے ارکان ہیں کہ اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ ان میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کے ولی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام مومن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں البتہ ولایت کے مدارج میں فرق ہو سکتا ہے کفار کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے حمایتی اور دوست بہت زیادہ ہیں۔ اس طرح انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔ اللہ پر ایمان لانے والوں کا گروہ اولیاء الرحمٰن کہلاتا ہے اور کفر کرنے والا گروہ اولیاء الشیطان کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو باطل عقائد کے اندھیروں، گناہوں کی تاریکیوں اور برے اخلاق و کردار کی غلاظتوں سے نکال کر توحید و رسالت



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

،لطافت وطہارت ،تہذیب وشرافت اور اپنی اطاعت ومحبت کے کمالوں کی طرف لے جاتے ہیں اس کے علاوہ مومنین پر صلوٰۃ ورحمت بھیجنے اور ان کی مغفرت کے لیے دعائیں کرنے کے لیے فرشتوں کو لگا رکھا ہے اللہ رحیم وکریم کی اس خصوصی رحمت کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے ہوجائے گا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا **(الاحزاب:۴۳)**

**ترجمہ:** ''اللہ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔''

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ **(المومن۵۱)**

**ترجمہ:** ''ہم اپنے رسولوں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی قیامت کو بھی۔''

﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ **(یونس۶۲ تا ۶۴)**

**ترجمہ:** ''سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی ۔اللہ کی باتیں بدلتی نہیں ۔یہ تو بہت عظیم کامیابی ہے۔''

﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَکَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

**(المومن: ۷تا۹)**

**ترجمہ:** ''جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے اے ہمارے رب ان کو ہمیشہ رہنے کے بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی، بے شک تو غالب حکمت والا ہے ان کو برے اثرات سے بچا لے اور جس کو تو اس روز برے اثرات سے بچا لے گا بے شک اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

﴿وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَکِيْمٌ﴾**(الانفال:۶۳)**

**ترجمہ:** ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بے شک وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُکُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حٰم السجدہ ۳۰-۳۱)

**ترجمہ:** ''جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے ان پر فرشتے اتریں گے سمجھانے کو کہ نہ تو خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے حاضر ہوگی۔''

اولیاء اللہ یعنی اہل ایمان کے لیے مخصوص روحانی اعانت کے ذکر کے ساتھ ساتھ اولیاء الشیطان کے لیے جو نظام قائم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو لوگ اللہ کی ربوبیت سے انکار کر کے نماز اور ذکر سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کی روحانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف:۳۶)

**ترجمہ:** ''اور جو کوئی اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف:۲۷)

**ترجمہ:** ''ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست اور ساتھی بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (المجادلہ:۱۹)

**ترجمہ:** ''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ حزب الشیطان والے نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

اس باب میں جو آیات لکھی جا چکی ہیں ان سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے روحانی نظام انسان کے اپنے فیصلے کے بعد

سرگرم عمل ہوتے ہیں۔اس حقیقت کوانسان کی عقل بھی تسلیم کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم جزاوسزا کے لیے جوملکی قوانین بناتی ہے ان کی بنیادہی یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے۔ہر مجرم کو جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دینااور اچھے کام کرنے والے کوانعام واکرام سے نوازنا ہی عدل وانصاف ہے۔نابالغ بچوں اور فاتر العقل بالغوں کے لیے جس طرح دنیوی قوانین میں گنجائش رکھی جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے آئین میں بھی ان کے لیے معافی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کونوازنے کے لیے بے شمار روحانی نعمتیں تیار کررکھی ہیں۔جولوگ ایمان کی راہ کا انتخاب کرکے نماز اور ذکر کی پابندی کرتے اور توکل والی زندگی گزارتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قلبی اور روحانی مسرت واطمینان،حلاوت ایمان اورلذت عرفان جیسے انوکھے تجربات سے آشنا کراتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمتوں،فرشتوں کی دعاؤں اور روحانی بشارتوں کے نزول کے اثرات سے مومن ہر قسم کے خوف وحزن سے نجات حاصل کرکے اللہ کے بھروسہ پر مطمئن زندگی بسر کرتا ہے اور ہر حال میں خوش رہتا ہے۔اللہ کی محبت،شیوہ تسلیم ورضا اور دائمی ذکر کی برکت سے اس کا ہر دن بلکہ ہر سانس اسے اللہ کے اور قریب کرتا چلا جاتا ہے۔جوقوم اللہ کے دین کی شمع بردار بن کراٹھتی ہے اسے اطمینان قلب اور روحانی کشائش کی نعمتیں عطا کرنے کے ساتھ ساتھ فراخی رزق اور کثرت اولاد سے بھی اس کی قوت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے دنیوی خوش حالی کے جو وعدے فرمائے ہیں انہیں ایمان اور صالح اعمال کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ آخرت کی زندگی پر ایمان لانا اللہ کے دین کا نہایت ہی اہم جزو ہے۔اسے تسلیم کیے بغیر نہ تو انسان زندگی کومجموعی حیثیت سے سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اسلام میں داخل ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث آخرت کے حالات وواقعات سے بھرے پڑے ہیں۔آخرت کی زندگی میں

اہل ایمان اور کفار و مشرکین کے مقامات اور حالات میں تو زمین و آسمان کا فرق ہوگا لیکن اس جہاں میں بھی ان کی زندگیوں میں بہت فرق ہے۔ پہلے ہم قرآن کریم کی وہ آیات یہاں درج کرتے ہیں جن میں خاص رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے جو مومنین کے شامل حال ہوتی ہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف:۳۲)

**ترجمہ:** ''آپ ﷺ پوچھئے تو کہ زینت و آرائش اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو حرام کس نے کیا ہے؟ آپ ﷺ کہہ دیں کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کے لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔''

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (الاعراف:۹۶)

**ترجمہ:** ''اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی، سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔

﴿وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ (نوح:۱۲)

**ترجمہ:** ''نوح علیہ السلام نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔''

﴿وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ (ہود:۵۲)

**ترجمہ:** ''ہود علیہ السلام نے کہا اے قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور تم گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔''

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ **(الروم ۴۷)**

**ترجمہ:** ''اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو جن لوگوں نے نافرمانی کی ہم نے اُن سے بدلہ لے کر چھوڑا اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔''

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ کَذٰلِکَ نُنْـجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ **(الانبیاء:۸۸)**

**ترجمہ:** ''اور ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اس طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

اوپر دی گئی آیات سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں بھی مومنین کی مدد فرماتے ہیں انہیں مصائب و آلام سے نجات دیتے ہیں اور دنیاوی مال و متاع فراوانی سے عطا کر کے ان کی قوت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ اب کفار و مشرکین اور تارکین ذکر و صلوٰۃ کی زندگی کی جھلک دکھانے کے لیے چند قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

**ترجمہ:** ''اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کے لیے زندگی میں تنگی کا جینا ہو گا اور

روز قیامت ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔"

﴿وَ لَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ (التوبہ:۸۵)

**ترجمہ:** "کفار کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں ہی سے انہیں دنیا میں عذاب کرے اور جب ان کی جان نکلے تو اس وقت بھی یہ کافر ہوں۔"

﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (الرعد:۳۴)

**ترجمہ:** "کفار کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی سزا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔"

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ (البقرہ:۱۶۱)

**ترجمہ:** "بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔"

انسان جس طرح زندگی بسر کرتا ہے اس کے مطابق ہی اس کا انجام ہوتا ہے۔ نزع کی گھڑی میں مومنین کو جنت کی جھلک اور کفار کو جہنم کا منظر دکھایا جاتا ہے اس لیے موت کے وقت اللہ والوں کے چہرے دمک اٹھتے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ زندگی کی آخری ساعت کے حالات کے بارے میں قرآن کریم کی آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۳۲)

"جب فرشتے متقین کی جانیں نکالنے لگتے ہیں تو یہ پاک ہوتے ہیں تو فرشتے السلام علیکم کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

﴿وَ لَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾(الانفال:۵۰)

**ترجمہ:** ''کاش آپ اس وقت کی کیفیت دیکھتے جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

﴿فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ o فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ o وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ o فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ o وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ o فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ o وَّتَصْلِیَۃُ جَحِیْمٍ (الواقعہ:۸۸۔۹۴)

**ترجمہ:** ''پھر اگر مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے آرام اور خوشبو دار پھول اور نعمت کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو اسے کہا جائے گا کہ تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو اس کے لیے کھولتے پانی کی ضیافت ہے اور جہنم میں داخل کیا جانا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسانی زندگی کی حقیقت، اس کے اغراض و مقاصد، دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی کے اصول اور اللہ کی رضا کے حصول کے طریقے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور ہر ممکن طریقے سے انسانی ضمیر کو جگانے اور رجوع الی اللہ کرنے کی دعوت دی گئی اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے شدید مخالفتوں، مزاحمتوں اور عداوتوں کا مقابلہ کر کے اللہ کا یہ پیغام انسانوں تک پہنچایا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ اللہ کا دین، عقل انسانی کے تراشے ہوئے نظریات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل ایک مکمل نظام حیات ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ موت کے بعد ہر انسان کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں وہ اپنی ہر چھوٹی بڑی نیکی یا برائی کو حاضر پائے گا۔ اس کا رب دنیاوی زندگی میں اس کی کارکردگی کے

مطابق اس سے معاملہ فرمائے گا۔موجودہ دور میں علماءکرام اور صوفیاءعظامؒ کا حقیقی کام بھی یہی ہے کہ اللہ کا پیام لوگوں تک پہنچا کر انہیں خواب غفلت سے بیدار کریں اور اللہ کی طرف بلائیں۔ اور جو لوگ ایمان لا کر دنیاوی خواہشات میں پھنس کر اللہ اور یوم آخرت کو بھول جائیں گے اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے۔ اللہ کا دین اللہ کی طرف سے اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی طرف سے اور تمام مومنوں کی طرف سے تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نیک نصیحت اور خیر خواہی کا پیام ہے۔دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچنے اور اللہ کی جنت میں داخل ہونے کی دعوت ہے اللہ کے دین میں مادی آنکھوں سے پوشیدہ عالم آخرت کے بارے میں مکمل خبر اور تفصیل موجود ہے لیکن اللہ کی منشاء کے عین مطابق دعوت دین کے نظام میں جبر کا کوئی مقام نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت للعالمین ﷺ کو بھی یہی ارشاد فرمایا ہے:

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:۴۰)

''بے شک آپ ﷺ کے ذمہ پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔''

☆☆☆☆☆
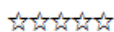
# نعمتِ دیدار

سالانہ خطبہ اپریل 2010

## غایت حیات

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد خود ہی بیان فرما دیا کہ وہ صرف میرا بندہ ہے۔ اِسے خصوصی صلاحیتوں سے اسی لئے نوازا گیا تا کہ وہ دوسری تمام مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مقام حاصل کرے کیونکہ کمالِ بندگی، کمالِ معرفت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ انسان کیلئے سب سے بڑا انعام اور اعزاز اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اور اس کی اہلیت صرف انسان کو عطا ہوئی۔ روزِ اوّل اولادِ آدم کی ارواح سے جب عہدِ الست لیا گیا اسی سے انسان کی انفرادی شان ظاہر ہو گئی سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی ذات نے ظہور فرما کر ارواح سے اپنی پہچان کرائی۔ پھر شرفِ ہمکلامی عطا فرماتے ہوئے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے محبت بھرے کلمات سے اپنی ربوبیت اور محبوبیت کا عہد طلب کیا۔ جس پر تمام ارواح نے قَالُوْا بَلٰى کہہ کر اللہ کی ربوبیت اور اپنی بندگی پر مہر شہادت ثبت کر دی۔ یہ عہد اسی لئے لیا گیا تا کہ ہر فرد اپنے مقصودِ حیات سے آگاہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش بھی دیگر جبلی خواہشات کی طرح ہر انسان میں موجود ہے۔ گزشتہ کتابوں اور اقوام کے حالات پڑھنے سے بھی یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ جن افراد میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لگن دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے وہ ہر دور میں حصول مراد کیلئے جدوجہد کرتے اور اللہ کے دیدار کی بے بہا نعمت سے نوازے جاتے رہے۔

ہمارے تمام توحیدی بھائی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی تصوف کا مقصد حصولِ کشف و کرامات ہرگز نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ تصوف کا مقصد انسانی مقصودِ حیات یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا قرب و عرفان ہے۔ سلسلہ توحیدیہ میں تو دیدارِ الٰہی کو ہی سالکین کا ہدف قرار دیا گیا ہے۔ بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ جب اپنے مُرشد مولانا کریم الدین احمدؒ کے پاس بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے دریافت فرمایا کہ کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو جس پر آپؒ نے عرض کیا کہ میرے تین مقاصد ہیں۔ اوّل روحانی طاقت۔ دوسرا تزکیہ اخلاق اور تیسرا دیدارِ باری تعالیٰ۔

ابتدائی گفتگو کے دوران مُرشد نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ دیدارِ خدا بالکل ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا۔ حضورؐ کے صحابہ کبار کو میسر آیا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ کی اُمت اس سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے۔ اکابر اولیاء جتنے بھی گزرے ہیں، سبھی جیتے جی اپنے ربّ کے دیدار سے مشرف ہوئے لیکن اللہ کا دیدار ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک باطنی آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے مطابق یقیناً دیکھتی ہے اور اُس کے بعد ہی ایمان کا وہ درجہ نصیب ہوتا ہے جس میں کبھی کمی اور شک پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس کے ساتھ ہی مُرشد نے یہ عظیم خوشخبری بھی دی کہ "تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لو گے مرو گے نہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبلہ حضرت بانیٔ سلسلہ توحیدیہ نے اپنی تصنیف "حقیقت وحدت الوجود" کے ابتدائیہ میں تحدیثِ نعمت کے طور پر تحریر فرمایا: " آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ (حضرت رسالدار محمد حنیف خانؒ) سے ملاقات کرا دی۔ یہ حضرت اویسی تھے۔ نہ خود کسی سے

بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے اِس لئے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا۔اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر و فکر وغیرہ اپنے اِسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اِس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔یعنی ناسوت سے ذاتِ بحت تک سارے راستے گردو پیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گزرا۔یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے پھر علی الترتیب اعراف،ملکوت،جبروت،لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھُو کے نچلے طبقے میں داخل ہوا۔یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی ۔یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربیؒ نے حقیقت فرمایا ہے۔الحمد للّٰہ میں نے یہاں زیادہ دیر قیام نہیں کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا ۔جب میں ھُو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحبؒ نے ظلیت کہا ہے۔یہاں سے بھی جلدی نجات مل گئی ۔اس کے بعد میں کچھ عرصہ عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔حتیٰ کہ عدم پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا اور آخر کار 26-27 برس کی کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصودِ حیات سے ہمکنار ہوا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** جو چاہتا تھا مل گیا"۔

## رُویَتِ بَاری تعالیٰ:

عہدِ الست کے بارے میں اوپر بیان کئے گئے قرآنی حقائق کے باوجود رُویت باری تعالیٰ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ایک گروہ کا خیال ہے رُویت قیامت میں ہو گی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی ہو جائے گی۔تیسرے گروہ میں صوفیائے عظام اور اولیائے کرام شامل ہیں اور انکا دعویٰ ہے کہ رُویت باری اِس زندگی میں میسر آ سکتی ہے اور جسکو یہاں میسر نہ آئی اِسے آخرت میں بھی میسر نہ آئے گی ۔ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے جو بڑی معقول اور مضبوط ہے ۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دیدار باری کی خواہش بھوک اور

پیاس کی طرح فطری اور جبلی خواہش ہے خواہ لاکھوں آدمیوں میں سے صرف ایک دو کے دل میں ہی کیوں نہ ہو اور مشاہدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی خواہشات پیدا کی ہیں ان سب کی تسکین کا سامان بھی ضرور پیدا کیا ہے مثلاً بھوک پیاس پیدا کی ہیں تو ان کی تسکین کیلئے طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات پیدا کر دئے ہیں۔ یہی حال دوسری شہوات و خواہشات کا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور عرفان کی خواہش تو انسانوں کے دلوں میں فطرتاً رکھ دی ہو لیکن اس کی تسکین کا سامان اور حصول کے ذرائع پیدا نہ کئے ہوں۔ ایسا تو سوچنا بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے خلاف ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ اللہ تعالیٰ جیسے رحیم و کریم آقا سے اُمید رکھنا کہ وہ کسی کی سچی طلب اور پوری پوری کوشش کے باوجود اس کو فائز المرام نہ فرمائے گا اس کے دامنِ رحمت کی وسعت سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاٰتٰكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ o ( ابراهيم :134)

**ترجمہ:** اے بنی نوع انسان ! تم نے جو کچھ بھی اللہ سے مانگا اس نے وہی تمہیں دے دیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ تم انکا احاطہ بھی نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان ظلم کرنے والا اور ناشکرا ہے''۔

یعنی انسان نے جس چیز کی خواہش کی یا جس اہلیت کا خواب دیکھا اللہ تعالیٰ نے وہی عطا کر دی جس طرح تمہاری خواہشات کی کوئی حد نہیں اسی طرح اس کی عطاؤں کا بھی شمار نہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پوچھیں گے کہ کیا تم جنت کی نعمتوں پر خوش ہو تو وہ عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ

ہم بہت خوش ہیں۔ہمیں وہ نعمتیں یہاں میسر ہیں جو ہمارے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کیا میں تمہیں ان سے بھی بڑی نعمت نہ دوں۔اس پر جنتی عرض کریں گے یا اللہ وہ کونسی نعمت ہے۔تو ارشاد ہوگا وہ ہے میرا دیدار۔پھر اللہ تعالیٰ ان کے سامنے جلوہ افروز ہوں گے تو وہ اس کے سرور سے مدہوش ہو جائیں گے اور انہیں کھانے پینے اور دوسری نعمتوں کا کچھ ہوش نہ رہے گا اور وہ سینکڑوں برس اسی کیفیت میں پڑے رہیں گے۔

دیدارِ ذات کے اثبات میں قرآن کریم کی یہ آیت ایک ٹھوس بنیاد اور محکم دلیل ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ (بنی اسرائیل۔72)

**ترجمہ:** ”جو شخص یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا“۔

اس آیت مبارکہ کے یہ معانی تو ہرگز نہیں ہوسکتے کہ جو انسان اس دنیا میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہے وہ آخرت کی زندگی میں بھی محروم ہوگا بلکہ اس آیت سے یہ حقیقت کھولی گئی ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یہاں نہ دیکھا وہ وہاں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انفس و آفاق میں اس کی پھیلی ہوئی آیات کو دیکھنے کی کوشش کرو۔

﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات۔20تا 21)

**ترجمہ:** ”اور زمین میں اہل یقین کے لئے آیات الٰہی ہیں اور تمہارے اپنے نفسوں کے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔“

یہاں بھی دیکھنے کا حکم صادر ہوا۔ہماری ظاہری آنکھیں تو اللہ تعالیٰ کی صفاتی شانوں مثلاً نور وغیرہ ہی کو دیکھ سکتی ہیں لیکن اس کی ذات کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والا دل چاہیے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی:

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: 46)



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

**ترجمہ:** "ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہونگی بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوں گے"۔ اسی لئے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل کیونکر اندھے ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان دیدار الٰہی جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو کر اپنی زندگی کے حقیقی مشن میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ہم دوبارہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری مشکل آسان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طٰہٰ۔124)

**ترجمہ:** "جس نے منہ موڑا میرے ذکر سے، یقیناً اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔"

"اس دن وہ غافل انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے فریاد کریگا کہ اے میرے ربّ تُو نے میری ظاہری آنکھوں کا نور بھی چھین کر مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔ میں تو دیکھنے والا تھا۔ اس پر خدا فرمائے گا کہ تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تُو نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح آج تُو بھی بھلا دیا گیا اور تیری روشنی گل ہو گئی۔ جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔ آخرت کا عذاب بہت سخت اور باقی رہنے والا ہے۔" (طٰہٰ۔125تا127)

ان آیات سے اقامت صلوٰۃ اور کثرت ذکر کی اہمیت واضح ہو گئی کہ انسان کے مقصود حیات کے حصول میں ان کا بنیادی کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کی نحوست اور بے برکتی کی

وجہ سے مادّی آسائشوں کی فراوانی کے باوجود اس دنیا کی زندگی بھی تنگی اور بے اطمینانی سے گزرتی ہے اور روحانی طور پر اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ قلبی بصیرت کی محرومی کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن ظاہری بینائی بھی چھین لی جاتی ہے۔

## شیطان کے ہتھکنڈے:

انسان کے ازلی دشمن شیطان کے مکروفریب اور تمام تر ہتھکنڈوں کا مقصد وحید یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور کردے تا کہ اللہ سے اس کا تعلق ٹوٹ جائے۔ اس کے بعد انسان اپنے مقصد حیات کو بھول کر مادّی حیات اور اس کی سفلی لذات میں کھو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے طریقہ واردات سے آگاہ کرنے کے لئے فرماتے ہیں:

☆اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (المجادلہ۔19)

**ترجمہ:** ''شیطان نے ان کو قابو کرلیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ شیطان کے گروہ والے ہیں۔ سن رکھو کہ شیطان کے گروہ والے ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کا وسیلہ ہے اس لئے شیطان جن لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ان سے پہلا کام یہی کرواتا ہے کہ انہیں ذکر اور نماز سے دور کرتا ہے وہ اس مقصد کے لئے لہو و لعب کے کلبوں اور شراب اور جوئے کے اڈوں کو بھی استعمال کرتا ہے قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو انتباہ فرمایا ہے:

**ترجمہ:** اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام شیطان کی کارروائی ہے۔ سو ان سے بچتے رہنا تا کہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے

روک دے تو تمہیں کون کاموں سے باز رہنا چاہیے۔" (المائدہ۔90 تا 91)

آپ سب بھائی ذرا انصاف کی نظر سے اہل اسلام بلکہ اہل عالم کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز انسانوں کی کتنی تعداد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے شرف سے محروم ہو کر ابلیس کے طاغوتی لشکر میں داخل ہو چکی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا۔"

اس شعور کو بیدار کرنے کے لئے ہر دردمند مومن کو اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے بھائیوں کی اصلاح کے لئے بھی محنت کرنی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو شیطان کے جال سے نکال کر اللہ کی راہ پر لگایا جائے تا کہ دارین میں سرخرو ہو جائیں۔ اللہ کا ذکر اور نماز ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہے۔ نماز جب اللہ کے فضل سے حضوری والی بن جائے گی تو یہی مومن کے لئے معراج بنے گی جو اللہ کے قرب کا مقام ہے۔

## دیدار سے محرومی:

اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال ہی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی طرف سے اندھا بہرہ بن جائے تو اس نے اپنا شرف کھو دینے کا راستہ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے کے لئے اسے بڑی بڑی لائبریریوں اور لیبارٹریوں میں نہیں گھسنا پڑتا بلکہ وہ تو ہر جگہ اس کے ارد گرد موجود ہیں۔ قرآن کریم کی دعوت کا انداز ملاحظہ فرمائیے:

"کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی نفیس چیزیں اگائی ہیں بیشک اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔" (الشعراء۔6 تا 7)

☆"تمہاری عورتوں کے ارحام میں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا بہترین مظہر بہترین صورت میں پیدا کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ "جس نطفے کو تم عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو کیا تم اس سے انسان کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔" (واقعہ۔58 تا 59)

☆"بھلا دیکھوتو کہ جو کچھ تم بوتے ہو کیا تم اس کو زمین سے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔" (واقعہ۔63 تا 65)

☆"بھلا دیکھوتو کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ (واقعہ 68 تا 70)

☆"ذرا غور کریں کہ ہماری معاشرت کی زندگی میں آگ کا کتنا اہم مقام ہے۔ حرارت کے تمام ذرائع ایندھن کی لکڑی، تیل، پٹرول اور گیس وغیرہ سب درختوں کے مرہون منت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سوال کرتا ہے۔ "کیا تم نے اس درخت کو پیدا کیا یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم نے اسے یاد دلانے اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے۔ تو اپنے بزرگ رب کی تسبیح کرو۔" (واقعہ 72 تا 74)

اگر اللہ تعالیٰ کے سمجھانے کے باوجود بھی ایک گروہ کو کچھ دکھائی اور سجھائی نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ ان کا درجہ اور مقام متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ o (اعراف۔179)

"اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ تو چوپائیوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔ یہی ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کر دیتے ہیں اور حیات آخرت کو بھی نہیں مانتے ۔ یہ لوگ حیات ارضی کو سب کچھ سمجھ کر اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

☆قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاo اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا o اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاo (کہف۔103تا105)

**ترجمہ:** ''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو اور اس کی ملاقات کو نہ مانا۔ پس ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور قیامت کے دن ان کے لئے میزان قائم نہ کریں گے۔''

کفار کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کو یکسر بھول جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ان کو طاغوتی گروہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف۔27)

**ترجمہ:** ''ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (زخرف:36)

**ترجمہ:** ''جو رحمٰن کے ذکر سے غفلت کرتا ہے تو ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''

اس طرح کے بدنصیب لوگ جو اس زندگی ہی میں شیاطین کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور حزب الشیطان کے لشکری قرار دے دیئے جاتے ہیں انہیں تو اپنے رب کریم کی پیشی بھی نصیب نہ ہو گی وہ نہ تو اپنے مہربان اللہ کی آواز سننے کا شرف حاصل کر پائیں گے نہ ان پر اللہ غفور رحیم کی

نگاہ پڑے گی اور نہ ہی جلوہ خداوندی کے نور سے انہیں تزکیہ کی سعادت حاصل ہوسکے گی۔

قرآن کریم میں ان حرماں نصیبوں کی اندوہناک حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوْبُوْنَ﴾(مطففین۔15)

**ترجمہ:** ''بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ٥(آل عمران۔77)

**ترجمہ:** ''جولوگ اللہ کے عہد اور قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں۔ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کریگا اور انکو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

محولہ بالا آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قیامت میں بھی ربّ کی دید سب کے نصیب میں نہ ہوگی بلکہ ایک گروہ اس سے محروم رہے گا۔ان کے اعمال نامے سامنے سے دیئے جانے کی بجائے ان کی پشت سے دیئے جائیں گے۔''ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہونگی وہ گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے۔''(مومن۔71تا73)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود ہی سے کفر کیا۔اس کی آیات سے روگردانی کی اور مادہ پرستی پر ہی ان کی زندگی کا انجام ہوا۔ان کی یک طرفہ حیات کا فیصلہ یہاں ہی ہوگیا اور اپنے رب کریم سے دور ہٹا دیئے گئے۔ان کے لئے اللہ نے فیصلہ سنا دیا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ (البقرہ۔161تا162)

''جولوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر اللہ کی، فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت۔ وہ ہمیشہ اس لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ اُن سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ملے گی۔''

اسی طرح کے بے بصر اور بے بصیرت انسانوں کے لئے علامہ اقبالؒ شکوہ کناں ہوئے:

یہی آدم ہے سلطان بحرو بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خُود بیں نے خُدا بیں نے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہُنر کا؟

## فیضِ نظر:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت و بصارت اور دل و دماغ جیسی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز کر حیات ارضی کی تربیت گاہ میں اِسی لئے بھیجا کہ یہاں اُن کے اپنے وجود کے اندر اور ارد گرد کی کائنات میں پھیلی ہوئی اپنے خالق کی آیات پر تدبر و تفکر کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے جس بے پردہ حسن کو یومِ الست دیکھا تھا اِسے دنیا میں صفات کے پردوں میں چھپا دیکھ کر اسے پہچان لے اور اس کے قرب و رضا کے حصول کیلئے جادہ پیما ہو جائے۔ حضرت بوعلی قلندرؒ کی ایک رُباعی میں انسان کی روح اپنی اہمیت یوں بیان کرتی ہے:

آفریدہ حق مرا از نُورِ ذات
ناشناسم ذاتِ اُورا از صفات
چوں کشائی چشم اے اہل یقیں
ہر طرف تاباں جمال یار بیں



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ذات کے نور سے پیدا کیا تا کہ میں صفات کے اندر چھپی ہوئی اس کی ذات کو پہچان سکوں۔ اے اہل یقیں تم سچی طلب سے آنکھیں کھول کر دیکھو تو ہر طرف جمالِ یار کے جلوے دکھائی دیں گے"۔

انسانی روح کے اندر عہدِ الست کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج بو دیا گیا۔ اور اللہ کے دیدار کی جستجو دل میں پیوست کر دی گئی۔ لیکن حیاتِ ارضی کی فضا اور مادی لذات کا شوق اس جذبہ صادقہ کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔ اِس لئے کسی مردِ کامل کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے جو دل کے زنگ کو دور کر کے انسان کے اندر مقصدِ حیات کا شعور پیدا کر کے اِسے اللہ تعالیٰ کی محبت کے صراطِ مستقیم پر ڈال دے اس لئے اِس مبارک ترین کام کا آغاز حضور رحمت للعالمین ﷺ نے کیا۔ قرآن کریم میں چار مقامات پر آپؐ کے منصبِ رسالت کے فرائض یکساں الفاظ میں بیان ہوئے ہیں۔ اِن میں سے صرف ایک آیت مبارکہ لکھی جا رہی ہے:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ٥ ( البقرہ۔151)

**ترجمہ:** "جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے"۔

چنانچہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات وشیون بیان فرمائیں جو کسی نے بیان نہیں کی تھیں اور نورِ نبوت کے فیض سے اہل ایمان کے دلوں کا زنگ دور کر دیا۔ ان کو کتاب اور حکمت کی ایسی تعلیم دی کہ وہ دنیا کے رہبر بن گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے اس مقام پر فائز ہو گئے کہ کوئی غیر صحابی چاہے کتنی عبادت کیوں نہ کرے ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ

ان سے من حیث الجماعت راضی ہوگیا۔علامہ اقبالؒ نے بھی فیضِ صحبت کے بارے میں فرمایا:

مے نہ روئید تخم دل از آب و گلِ
بے نگاہے از خداوندانِ دلِ

"دلوں کے اندر جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج ڈالا گیا ہے وہ صرف پانی اور مٹی سے نہیں اُگتا۔ بلکہ اِس کیلئے اہلِ دِل مردانِ حق کی نگاہوں کا فیض درکار ہوتا ہے"۔

ایک دوسری رُباعی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو تمثیلاً بیان کرتے ہوئے لکھا:

دمِ عارف نسیم صبح دم ہے
اِسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

"ایک عارف کا وجود دلوں کی نشو ونما کیلئے نسیم سحری کا سا اثر رکھتا ہے۔اس کے فیض ہی سے اللہ تعالیٰ کی جستجو اور اسکے دیدار کے ذوق کو تازگی ملتی ہے۔اگر حضرت شعیب علیہ السلام جیسا کوئی مردِ کامل مل جائے تو بھیڑ بکریوں کی رکھوالی کرنے اور کلیم اللہ بننے میں دو قدم کا ہی فاصلہ ہوتا ہے

مولانا رومؒ نے اپنی زندگی کا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مولوی ہر گز نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد
صحبت از علم کتابی خوشتر است
صحبت مردانِ حُر آدم گر است

علامہ اقبال کا ایک اور شعر بھی اِس ضمن میں یاد آ گیا! وہ یہ ہے۔

بادِ نسیم کی موج سے پرورش خار و خس
میرے نفس کی موج سے پرورش آرزو

اللہ تعالٰی کی محبت کا بیج پھوٹ پڑے یا دِل میں آرزوئے دیدار کا چراغ روشن ہو جائے تو پھر کثرتِ ذکر پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ ذکر کی کثرت ہی سے سلامتی ایمان، دلوں کا اطمینان اور قُربِ الٰہی کا سامان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بیسیوں آیات کے ذریعے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور لیٹے ہوئے بھی اللہ کا ذکر کرو۔ سورۃ احزاب میں فرمایا کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْ اللّٰہ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ اے اہل ایمان اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ ذکر کے علاوہ کسی دوسری عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ ذکر ہی سے دل کی صفائی اور توانائی ہے۔ اللہ کے ذکر کی برکت ہی سے دِلِ بیدار اور اللہ کا دیدار ملتا ہے اور یہی غایت حیات ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

دلِ بیدار فاروقی، دِلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دِل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر، کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اِسی لئے اہل ایمان کو تاکید کی گئی ہے کہ مال و اولاد کی محبت کہیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اگر تمہیں اللہ تعالٰی کے قرب کی راہ میں آگے بڑھنا ہے تو ذکر میں کوتاہی خسارے کا باعث بنے گی۔

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾o (منافقون۔9)

ترجمہ: ''اے اہل ایمان تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہیں''۔

﴿ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوْا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (حشر:19)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں جیسا نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کردیا کہ وہ خود اپنے آپ کو بھول گئے، یہ بدکردار لوگ ہیں''۔

اِس لئے اللہ تعالٰی کی محبت اور اس کے کردار کے سچے طالب ''جو دم غافل سو دم کافر'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ''پاس انفاس'' کا اہتمام کرتے ہیں۔ پاس انفاس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی سانسوں پر پہرہ لگا دو کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نہ اندر آئے نہ باہر جائے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالٰی اپنے فضل سے نوازتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَہٗ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ o

ترجمہ: ''جو شخص اللہ تعالٰی کی ملاقات کو پسند کرے تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا''۔

اور جو مخلص لوگ اللہ تعالٰی سے ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں اِن کیلئے خاص پیغام یہ ہے:

﴿ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا ﴾ (کھف:110)

ترجمہ: ''جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا خواہاں ہو تو اِسے چاہئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ بنائے''۔

اعمال صالحہ تو بہت سے ہیں مختصراً یہ کہ قرآن کریم میں جتنی باتوں کے کرنے کا حکم ہے انہیں کرنا اور جن باتوں سے رُکنے کا حکم ہے اِن سے رُکنا ہی صالح زندگی کا منشور ہے اور دوسری اہم بات اِس سلسلہ میں یہ فرمائی کہ عقیدہ توحید پر چٹان کی طرح جمے رہو اور کسی بھی ہستی کو کسی بھی حیثیت سے اللہ کا شریک نہ جانو۔

اِنسانوں کے ساتھ بے پایاں محبت کرنے والے رحیم و کریم آقا نے اپنے قرب اور دیدار کی سچی تڑپ رکھنے والوں کیلئے قرآن کریم میں جگہ جگہ اُمید کے چراغ روشن کر رکھے ہیں جیسا کہ:

﴿یَاَ یُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ﴾ (انشقاق۔6)

**ترجمہ:** ''اے انسان تو اپنے رب کی طرف پہنچنے میں خوب کوشش کر رہا ہے سو اس سے جا ملے گا''۔

﴿ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا . وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (عنکبوت۔69)

**ترجمہ :** ''جو لوگ ہماری ذات کے قرب میں جدوجہد کریں گے ان کیلئے ہم اپنی راہیں کھولتے جائیں گے اور بے شک اللہ محسنین یعنی اہل احسان کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے سچے فقیر اِن چراغوں کی روشنی میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں وہ نہ بائیں ہاتھ والوں میں ہوتے نہ دائیں ہاتھ والوں میں بلکہ سورۃ واقعہ کے مطابق مقربین میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی باتوں سے بھی یار کی خوشبو آتی اور دل نئی زندگی پاتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں۔

نہ میں عالم نہ میں فاضل، نہ مفتی نہ قاضی ھُو
نہ میں تریہے روزے رکھے، نہ میں پاک نمازی ھُو
نہ دِل میرا دوزخ منگدا ، نہ شوق بہشتیں راضی ھُو
باہجھ وصال اللہ دے باھُو ایہہ سب کُوڑی بازی ھُو

اِسی طرح حکیم الامتؒ نے یہ پیام دیا۔

در دشت جنونِ من جبریل زبُوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اوپر جو آیات مبارکہ بیان ہوئیں اور اللہ والوں کے جو اشعار لکھے گئے سب کا اشارہ ایک ہی سمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں تمام تر تقویٰ و پرہیز گاری، عبادات و مراقبات، تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کے قرب اور اسکے دیدار کا حصول ہے۔

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رُستن از بند جہات است

(اقبالؒ)

## موسیٰ علیہ السلام نے کیا دیکھا

بڑا اعتراض:

اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں دیدار میسر آنے کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے یہ گزارش کہ مجھے اپنا جلوہ دکھائیں تاکہ میں آپ کو دیکھوں تو جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ یقیناً قرآن کریم میں یہ بات اسی طرح لکھی ہوئی ہے اور ہمارے سر اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان کے سامنے عاجزی سے خم ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری عطا ہونے کے کافی دیر بعد پیش آیا اس لئے ہم بھی اس کی تشریح بعد میں کریں گے۔ ہم اس بات کو وہاں سے شروع کرتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام

مدین میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ شام ہوگئی تو رات گزارنے کی فکر ہوئی کہ یا تو کوئی ٹھکانا مل جائے یا آگ جلانے کا اِنتظام ہوجائے تا کہ رات کی ٹھنڈ سے آرام پائیں۔ چنانچہ آپ کو ایک جگہ آگ جلتی ہوئی دکھائی دی۔ قارئین کرام! وہ آگ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھی۔ آگے جو واقعات پیش آئے وہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب سے پیش کریں گے۔ آپ ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں تا کہ قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق آپ کے سامنے روشن ہو جائیں۔ یہ واقعہ تین مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور ہم اِسی ترتیب کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

☆ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیO اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیO وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰیO اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْO (طٰه۔ 11 تا14)

**ترجمہ:** ”جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ موسیٰ میں تو تمہارا ربّ ہوں تو اپنی جوتیاں اُتار دو۔ تم پاک میدان طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تم کو انتخاب کرلیا ہے تو جو حکم دیا جائے اِسے سنو بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔

﴿ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًاؕ سَاٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَO فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَO یٰمُوْسٰٓی اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (نمل۔ 7 تا9)

**ترجمہ:** ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے پتہ لاتا ہوں یا سلگتا ہوا انگارا تمہارے پاس لاتا ہوں تا کہ تم تاپو۔ جب موسیٰؑ

اُس کے پاس آئے تو ندا آئی کہ وہ جو آگ میں ہے بابرکت ہے اور وہ جو آگ کے اِردگرد ہے اور اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے۔اے موسیٰ میں ہی ہوں اللہ غالب اور دانا''۔

﴿ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ o فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ o (قصص۔29 تا 30)

**ترجمہ**: ''موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے۔شاید میں وہاں سے رستے کا کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارا لے آؤں تا کہ تم تاپو۔جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں''۔

اُوپر دی گئی قرآن پاک کی آیات اور ان کا ترجمہ پڑھنے سے سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ سارا منظر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔دوسری بات یہ کہ یہ مشاہدہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات کا نہیں تھا کیونکہ اِس کے بارے میں ارشاد ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک ہرگز نہیں کر سکتیں۔کیونکہ ذات بحت رنگوں اور صفات سے پاک ہے۔اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسانی آنکھوں کی اہلیت اور برداشت کے مطابق اپنا صفاتی جلوہ بصورت آگ دکھلایا۔لیکن ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو نہیں دیکھا۔اوپر دی گئی آیات مبارکہ میں ہر مرتبہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اِس آگ والی جگہ کے قریب پہنچے تو اس جلوہ خداوندی نے اپنا تعارف وضاحت سے کرایا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو جائے کہ اِنکے سامنے آگ کا بگولا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور اس صفاتی جلوہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مجھ سے ہم کلام ہے۔تینوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کے الفاظ خط کشیدہ ہیں اور اللہ نے خود یوں فرمایا۔

☆ بے شک میں ہی ہوں تیرا ربّ۔ آپ اپنے جوتے اُتار دیں ۔ بے شک میں ہوں اللہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور مجھے یاد رکھنے کیلئے نماز قائم کرو ۔

☆ اے موسیٰ بے شک میں ہوں اللہ زبردست اور حکمت والا ۔

☆ بلاشبہ میں ہوں اللہ ربُّ العالمین ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اپنے کہے ہوئے ان الفاظ کے بعد مزید کسی تشریح یا تاویل کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی معقول انسان اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ یہ اللہ ہی کا دیدار تھا۔ علامہ اقبال اِسی طرح کے صفاتی جلوہ کے لئے التجا کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

## لَنْ تَرَانِیْ

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ وادی طویٰ میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ظاہری آنکھوں سے کیا تھا۔ اور وہاں آپ کو رسالت ملی اور معجزات بھی عطا ہوئے۔ ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا پر نبوت دی اور آپ کا وزیر بنایا اور فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا اب کچھ وقت گزر جانے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے گزارش کی کہ اللہ آپ میرے سامنے آئیں تا کہ آپ کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں تو جواب ملا کہ تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے تو بغیر کسی طلب اور التجا کے اتنی ساری نعمتوں سے نوازدیا اور اب وہی پیارا رسول دیدار کیلئے التجا کر رہا ہے تو کیوں صاف انکار کر دیا؟ کیا پہلے آپ میں دیدار کی اہلیت تھی اور اب نہیں رہی یا پہلے والے دیدار اور اس دیدار کی نوعیت میں

کوئی فرق تھا۔ پہلی بات تو درست نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ بات یقیناً درست ہے کہ دیدار کی نوعیت میں بنیادی فرق تھا ورنہ اس طرح انکار نہ کیا جاتا۔

اِن دو مختلف احوال کی مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ پہلے تو انہوں نے آگ میں اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی جلوہ ظاہری آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اب پیغمبر ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بحت یعنی اس کی حقیقت کو دیکھنا چاہتے تھے جو پاک ہے تمام صفات اور رنگ و بو سے اور دیکھنا بھی چاہتے تھے مادی آنکھوں سے۔ اِسی واسطے جواب ملا" **لَنْ تَرَانِی** "اب یہ مشہور آیت اور اس کی تشریح پیش کی جاتی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (اعراف۔143)

**ترجمہ**: "اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر پہنچے اور ان کے رب نے اُن سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھے جلوہ دکھا کہ میں تیرا دیدار بھی دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ کیلئے اپنے نور کو بڑھایا تو تجلّی انوارِ ربانی نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے۔ میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے اوّل ہوں"۔

# ماڈی جہان اور قلبِ انسان

اِس آیت مبارکہ کی تشریح کیلئے ہمیں مادی جہان اور قلب انسان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔اللہ کی تخلیق میں مادی عالم اسفل سافلین یعنی کثیف ترین ہے۔لطافت کے لحاظ سے اس کے اوپر عالم مثال، عالم امر اور ان کے اوپر عرش ہے۔اور عرش کے وسط میں جہاں لطافت کا کمال ہے قرار گاہِ ذاتِ بحت ہے۔تو اس لطیف ترین ذاتِ باری کی تجلیات کو کثیف ترین مادہ بھلا کیونکر برداشت کرسکتا ہے۔چنانچہ مادہ کی اِس حیثیت کو قرآن کریم میں سورۃ الاحزاب کی آیت 72 میں واضح کردیا گیا ہے،جس کا ترجمہ اس طرح ہے:

**ترجمہ** :"ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو اُنہوں نے اس کو اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھالیا۔بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا"۔

یہ امانت اللہ تعالیٰ کی محبت کی تھی جسے مادی دنیا نے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اِس کی ذمہ داریوں اور ناکامی کی صورت میں عواقب سے ڈر گئے۔تو پھر کون آگے بڑھا جس نے بارِ امانت کو اُٹھایا وہ انسان تھا جو اِس وقت مادہ کے غلاف یا جسم میں لپٹا ہوا ہے۔وہ اصل انسان جس کے اندر "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ "کے ذریعے اللہ نے اپنی روح کا فیض ڈالا اور اِسکے سامنے ملائکہ بھی سرنگوں ہو گئے۔اپنے آپ کو"محرمِ رازِ درونِ میخانہ" کہنے والا شاعر مشرق کہتا ہے:

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے

اللہ تعالیٰ یہی حقیقت موسیٰ علیہ السلام کو دکھانا چاہتے تھے کہ میری ذات کی تجلیات کو مادے کا کوئی مظہر برداشت نہیں کرسکتا چاہے وہ پہاڑ ہو یا انسان کے مادی جسم کے ظاہری حواس ہوں۔ چونکہ پہاڑ مادی دنیا میں مضبوطی کی علامت سمجھا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں انسانی جسم تو کچھ بھی نہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ ہماری تجلّی کو برداشت کرسکا تو پھر تمہارے مادی حواس بھی مجھے دیکھ سکیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کیلئے معمول کے انوار میں ذرا سا ہی اضافہ کیا تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ہموار ہو گیا۔ مادی پہاڑ کا یہ حشر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے مادی حواس بھی اپنا ہوش کھو بیٹھے۔ اِس حواس کی معطّلی اور بے ہوشی کی کیفیت میں آپ کے دل کی آنکھ یقیناً کھل گئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کر لیا اور آپ پر یہ حقیقت کھل گئی۔

ارض و سماء کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دنیا کی کسی چیز میں نہیں سماتا لیکن مومن کا دل ایسا ہے کہ میں اُس میں سما جاتا ہوں۔ یہ شعر اسی خیال کی ترجمانی کرتا ہے۔

پہاڑ کیلئے ذاتی تجلیات کو برداشت کرنا تو بہت دور کی بات ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام کے انوار کو نہیں سہار سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے!

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ۔ وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (حشر۔21)

**ترجمہ** : ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور کریں''۔

یعنی اِس بات پر غور کریں کہ پہاڑ کے مقابلہ میں میرے رسول ﷺ کے قلب مبارک کی

کتنی ہمت اور برداشت ہے جس پر قرآن کا نزول ہوتا ہے اور نزول وحی سے اس کے اندر کتنی بڑی روحانی طاقت اکٹھی ہورہی ہے جو سنگدل لوگوں کے دلوں کو موم کر کے رکھ دے گی۔

اب اوپر دی گئی آیت مبارکہ کے باقی حصہ کی تشریح اس طرح ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو سب سے پہلے یہ کہا۔ **سُبْحٰنَكَ** یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار ذات پر شکر ادا کرتے ہوئے اس کی ذات کی تسبیح کی کہ اے اللہ تو ہر خامی، کمی، رنگ و بو اور صفات سے پاک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں خود فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ کہ اللہ کی ذات ان تمام خیالی نقشوں سے جو تم اس کے بارے میں بناتے ہو اور ان صفات سے جو اس کے بارے میں بیان کرتے ہو پاک ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی: "**تُبْتُ اِلَيْكَ**" کہ میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اس غلط تقاضے سے یا اُس التجا سے جو میں نے آنکھوں سے تیری ذات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کی۔

تیسرا کلمہ یہ فرمایا کہ "وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ o یعنی میں ایمان لانے والوں میں سب سے اوّل ہوں کہ اب میں نے دل کی آنکھ سے تیری ذات کا دیدار کر لیا ہے اور مجھے ایمان کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہوگیا ہے اور اب میں دوسروں کو بھی پوری قوت ایمانی کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دونگا۔ اس واقعہ کے بعد پھر آپ نے کبھی دیدار کیلئے سوال نہیں کیا۔

## دیدار کے بارے میں خط و کتابت

1: کوئی پندرہ برس پہلے ایک ریٹائرڈ سول آفیسر جو نوائے وقت اخبار میں اسلامی جوش وجذبہ سے بھرپور کالم لکھا کرتے تھے۔ میں انہیں بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ

اتفاق سے ان کے کالم میں ان کا کیولری گراونڈ لاہور کا ایڈریس بھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک خط کے ذریعے ان کے جذبات کی تعریف کی اور سلسلہ توحیدیہ کا کچھ لٹریچر بھی ارسال کر دیا۔ اس پر انکا ایک طویل خط آیا جس میں انہوں نے اپنے بارے میں کافی کچھ بتایا اور یہ بھی لکھا کہ میرا باپ مجھے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مدرسے تھانہ بھون میں چھوڑ آیا تھا لیکن میں وہاں سے بھاگ آیا اور سول سروس میں شامل ہو گیا اور اس کے ماحول میں کھو گیا۔ بعد میں مجھے علامہ عنایت اللہ مشرقیؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، غلام جیلانی برق وغیرہ کی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو دین کی کچھ روشنی ملی۔ ویسے علامہ اقبال کا میں بہت مداح ہوں۔ آجکل میں نے کتابوں اور اخباروں کا پڑھنا بند کر رکھا ہے لیکن تعجب ہے کہ آپ کی کتابیں میں نے ساری پڑھ لیں۔ ان میں جو اللہ کے دیدار کی بات لکھی ہوئی ہے میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ جو خدا انسان کی کھوپڑی میں سما جائے میں اسے خدا نہیں مانتا۔ اس طرح کی اور بھی کئی باتیں لکھی تھیں جو آجکل کے مغربی تعلیم یافتہ اور خوشحال طبقہ کا خاصہ ہیں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ چلو ایک متحرک اور مثبت سوچ والے پڑھے لکھے بھائی سے رابطہ ہوا ہے تو ان سے علمی بات چیت آگے بڑھائی جائے۔ چنانچہ ان کے ساتھ کوئی دو ماہ تک بڑی دلچسپ خط و کتابت ہوتی رہی اور یہ قلمی دوستی قلبی دوستی میں بدل گئی۔ ان خطوط کے چند اہم نکات جو اس وقت مجھے یاد ہیں، ان سے آپ کو بھی آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہونگے۔

2:۔ آپ کے پہلے خط کے جواب میں راقم الحروف نے یہ لکھا کہ آپ نے اتفاق سے ان علماء کی کتابیں پڑھیں جنہیں صوفیاء کرام خشک ملا گردانتے ہوں ان کی تفاسیر پڑھنے کی وجہ ہی سے آپ دیدار الٰہی کے قائل نہیں ہیں۔ کاش آپ نے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور قافلہ عشق کے سالار مولانا رومیؒ کو پڑھا ہوتا تو آپ کا نقطۂ نظر یقیناً

مختلف ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کھوپڑی کے بارے میں مطمئن ہیں کیونکہ کھوپڑی اور دیگر حواس ظاہری مادی دنیا کے لئے دیئے گئے ہیں اور ان سے اللہ تعالٰی کی ذات کا دیدار ممکن ہی نہیں۔ ہماری یہ مادی دنیا اللہ تعالٰی کی صفات کا اظہار ہے اور یہاں ذات، صفات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔ انسانی روح جو روز ازل، عہد الست کے وقت اللہ تعالٰی کی ذات کا مشاہدہ کر کے اور اس کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل کر کے اسے اپنا رب تسلیم کر چکی ہے۔ اب یہاں اس کی اہلیت کا امتحان ہے کہ چار سو اور اس کے جسم کے اندر انگنت آیات یعنی نشانیوں سے اپنے محبوب کو پہچاننے میں کامیاب ہوتی ہے یا کافر بن کر خاسر و ناکام۔

اس شعور کا بیدار ہو جانا انسان کی سعادت کی ابتداء ہے کہ مجھے اللہ تعالٰی نے اپنی پہچان اور محبت کے لئے بنایا تاکہ میں اس کا بندہ بن جاؤں۔ اس نے مجھے احسن تقویم یعنی بہترین ظاہری و باطنی صلاحیتیں دے کر اسفل سافلین یعنی پست ترین حالت میں ڈال دیا ہے۔ اب مجھے دنیا کے متاع غرور سے بچتے ہوئے اپنے رب اللہ کی طرف اپنی پرواز کو ہر لحظہ نئی آن اور نئی شان کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔ یہی زندگی ہے یہی اس کی غایت ہے اور یہی انسان کا امتحان ہے۔

علامہ اقبالؒ اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1۔ سمجھتا ہے تُو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

2۔ نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے

3۔ مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گُل کے لئے ہے نہ آشیاں کیلئے

جب انسان کے اندر کسی مردِ کامل کے فیض کے طفیل اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار ہو جائے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ سے دوری کا احساس گھیر لیتا ہے جو اسے حضوری اور قرب کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔ **لِقَاءُ اللّٰہ** کی آرزو اور اپنی منزل کے یقین سے انہیں جو **قوت** پرواز ملتی ہے اس کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں:

1۔ جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر رُوح الامیں پیدا

2۔ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

3۔ کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر راہگذر میں نقش کفِ پائے یار دیکھ

4۔ خُدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ وُگل سے کلام پیدا کر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

3: ۔میرے دوست نے اگلے خط میں لکھا کہ علامہ اقبالؒ کے کلام سے اپنے موقف کی تائید میں جو کچھ راقم نے لکھا وہ انکے لئے ایک انکشاف تھا لیکن قرآن کریم میں جو لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔جب اتنے بڑے پیغمبر اللہ کو دیکھنے کے قابل نہ تھے تو پھر دوسرا کوئی انسان کیسے اللہ کو دیکھ سکتا ہے؟

اس پر راقم نے یہ لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ظاہری آنکھوں اور دل کی آنکھ کی صلاحیت میں فرق ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے غلط فہمی کو فروغ ملا۔اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا

کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری عطا ہوئی تو انہوں نے آگ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی جلوہ کا دیدار کیا۔ اور کیا بھی سر کی آنکھوں سے۔ قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق اس جلوہ سے یہ صدائیں آئیں کہ: ۔ ''بے شک میں ہوں اللہ۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تیرا رب ہوں۔ مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد کون یہ جرأت کر سکتا ہے کہ کہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ ظاہری آنکھوں سے صرف صفاتی جلوہ ہی کو دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آنکھوں سے اللہ کی ذات کا دیدار کرنے کے لئے التجاء کی تو اسے ٹھکرا دیا گیا کیونکہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اللہ کی ذات کے دیدار کے لئے دل بینا چاہیے کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں۔

4: ۔ایک خط میں میرے اس بھائی نے یہ لکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے مروی ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس لئے بہت سے علماء اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے بھی اللہ کا دیدار نہیں کیا۔ آپ دل بینا کے بارے میں قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت پیش کریں۔ پہلے ہم دل کے بارے میں دل کی بات کرتے ہیں۔ روحانی قلب جس کا مقام جسمانی قلب یا دل ہے وہ دیکھتا بھی اور اندھا بھی ہو جاتا ہے۔

﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴾(النجم۔11)

**ترجمہ:** ''جو کچھ دل نے دیکھا اسے اس نے جھٹلایا نہیں۔''

﴿فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴾ (الحج۔46)

**ترجمہ:** ''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینے کے اندر ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔'' دلوں کے بارے میں یہ بھی جان لیں کہ کچھ دل اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور کچھ ذکر سے غافل ہوتے ہیں۔

﴿ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰباً مُّتَشَابِھاً مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ ھَادٍo (الزمر۔23)

**ترجمہ:** ''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں یعنی کتاب جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور دُہرائی جاتی ہیں ۔جولوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔پھران کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے،اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطاً (کہف 28)

**ترجمہ:** ''اور جس شخص کے دِل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اسکا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہا نہ ماننا۔''

اگر چہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور مادّی دنیا سے رابطے اور تسخیر کے لئے اسے مادّی حواس بھی عطا کئے لیکن خصوصی اعزاز کے طور پر اپنی روح کا فیض بھی اس کے اندر القاء کیا جس سے وہ نہ صرف دیکھنے اور سننے والا بن گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی صلاحیت بھی اسے حاصل ہوگئی حکیم الامت تو چاہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے آپ کو جانے ،اپنی منزل پیچانے اور اللہ کی طرف محو پرواز ہوجائے۔

ہے ذوق تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

اب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب بیان کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سورۃ النجم کے حاشیہ پر لکھا کہ اس صورت کی ابتدائی آیات کے بارے میں جمہور علماء متفق ہیں کہ ان میں حضور نبی کریمؐ کا حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کا ذکر ہے نہ کہ دیدار باری تعالیٰ کا۔ اسلئے حضرت عائشہ کا بیان انہی آیات کے بارے میں ہے۔ ابن کثیر نے مجاہد سے جو ابن کثیر کے اَخص اصحاب میں سے ہیں، یہ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو قلب سے دیکھا۔ لیکن جیسا کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم 17) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت صرف قلب ہی سے نہیں بلکہ قلب اور بصر دونوں سے ہوئی اس لئے ابن عباس نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا: "رَاٰهُ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِقَلْبِهٖ وَمَرَّةً بِبَصَرِهٖ."

**ترجمہ:** "یعنی حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ قلب سے ایک مرتبہ آنکھوں سے"۔

پیر کرم شاہ صاحب تفسیر ضیاءُ القُرآن جلد پنجم سورۃ النجم کی تشریح میں لکھتے ہیں:

۱۔ امام نووی کا قول ہے کہ معراج کی شب رویت باری تعالیٰ کے نہ ہونے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

**ب:** علامہ سید محمود آلوسی بغدادی دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے یوں بیان فرماتے ہیں۔ "میں کہتا ہوں کہ سرور عالمؐ اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضورؐ کو قرب الٰہی نصیب ہوا لیکن اسطرح جیسے ان کی شان کبریائی کے لائق ہے۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ تو آپ جواب میں فرماتے:

"رَاٰہُ رَاٰہُ حَتّٰی یَنْقَطِعُ نَفَسَہٗ" (روح المعانی)

"ہاں حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا۔اللہ کو دیکھا۔یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔"

اِسی طرح مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ بھی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا۔پس حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا۔

اب دو احادیث مبارکہ سماعت فرمائیے:

(1) حضرت ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔

هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ (مسلم شریف)

"کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نور کی صورت دیکھا تھا"۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا جس سے میں نے سینہ میں ٹھنڈک محسوس کی اور اس کے بعد سارا عالم مجھ پر منکشف ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

## اقبالؒ اور رُومیؒ

اپنے دوست کو مزید قائل کرنے کیلئے میں نے لکھا کہ آپ تو علامہ اقبالؒ کے معتقد اور مداح ہیں اور ان کا کلام تو اللہ تعالیٰ کے دیدار اور دیکھنے والے دل کی فضیلت اور عقل کی کم نگاہی سے بھرا پڑا ہے۔آپ کی تشفی کے لئے اِن کے کلام سے چند شعر لکھ رہا ہوں۔ان پر غور فرمائیے۔

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کرّاری
مِسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر، کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغِ راہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ راہگذر کو کیا خبر ہے

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دِل وا کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو کر بند
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

دِل اگر اِس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگاہ توڑ دے آئینہ مہر و ماہ
(اقبالؒ)

آخر میں آپ جیسے متلاشیانِ حق کے قلوب کی تسکین کیلئے حضرت اقبالؒ مرید ہندی بن کر، کاروانِ عشاق کے سالار اور اپنے مرشد، پیر رومیؒ سے راہنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔

مُریدِ ہندی:۔ خاک تیرے نور سے روشن بصر
غایت آدم خبر ہے یا نظر ؟

پیرِ رُومی:۔ آدمی دید است، باقی پوست است
دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

''اے مرشد رومی آپ کے نورِ فیض سے تو اندھی مٹی بھی روشن بصر ہو جاتی ہے آپ یہ حقیقت مجھ پر منکشف فرمائیں کہ انسان کی غایتِ منتہٰی خبر یعنی سُننا ہے یا نظر یعنی دیکھنا ہے۔اس پر پیر رومیؒ نے فرمایا کہ آدمی کی غایت صرف دیکھنا ہے۔انسان کا جوہر ''دید'' ہی ہے۔باقی سب ڈھانچہ چھلکا یا پوست ہے اور اس دید سے مراد دیدِ دوست ہے یعنی اللہ کا دیدار ہے۔

مولانا رُوم نے اِس متنازع اور وسیع مضمون کو صرف دو مصرعوں میں سمیٹ دیا۔اس لئے اِس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ تمام انبیاء،صدیقین،شہدا اور مقربین نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ذات کا دیدار کیا اور حضور رسید المرسلین،رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے وہاں نہ کوئی پہلے جا سکا،نہ بعد میں کوئی جا سکے گا۔

## حقیقتِ صراطِ مستقیم:

اب اِسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے صراطِ مستقیم کی حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں۔یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ صراطِ مستقیم کوئی لکیر یا پگڈنڈی نہیں ہے بلکہ پورے دین کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی طرف رواں دواں ہونے کیلئے نورانی شاہراہ کا نام ہے۔ یہی راہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملاتی ہے اور اس پر گامزن رہنے کی آرزو،ہر مومن،نماز کی ہر رکعت میں کرتا ہے۔اِسی شاہراہ پر چلتے ہوئے مخلص بندے اللہ کے مقربین میں شامل ہو جاتے ہیں۔

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ ( الواقعہ.10 تا11)
''اور آگے بڑھنے والوں کا کیا ہی کہنا وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں،وہی اللہ کے مقرب ہیں''۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کیلئے خوب جدو جہد کی اور دوسروں سے آگے نکل گئے انہی پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام و اکرام فرمائے اور سب سے بڑی نعمت یعنی اپنے قرب و دیدار سے نوازا۔ اِس امید افزا منظر کی حقیقت سے آشنائی کیلئے آئینۂ قرآن پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

روزِ اوّل جب شیطان نے یہ اعلان کیا کہ میں اولادِ آدم کو بہکاؤں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی صراطِ مستقیم کی روشن شاہراہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ o اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ الْغَاوِيْنَ o وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ o (الحجر۔41 تا 43)

**ترجمہ:** ”اللہ نے فرمایا یہ مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ جو میرے مخلص ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں۔ ہاں بد راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور ان سب کے لئے وعدے کی جگہ جہنم ہے“۔

﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ط مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (هود۔56)

**ترجمہ:** ”حضرت ھود نے فرمایا کہ میں اللہ جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب ہے پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں مگر وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا ربّ صراطِ مستقیم پر ہے“۔

کوئی چاہے مانے یا نہ مانے سب کا رب یعنی مالک و آقا اللہ ہی ہے۔ اور جو اللہ کی راہ صراطِ مستقیم پر چلے گا وہ اللہ کو پا لے گا۔ کیونکہ اللہ صراطِ مستقیم پر ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (زخرف:64)

**ترجمہ:** ”حضرت عیسیٰ نے فرمایا بے شک میرا رب بھی اللہ اور تمہارا رب بھی اللہ ہے۔

پس اُسی کی عبادت یعنی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچانے والا نظام انسانوں کو اللہ کا غلام بنانا چاہتا ہے اس لئے ہر نبی نے یہی تعلیم دی کہ اللہ جو تمہارا رب ہے اس کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے یہی پائیدار، مضبوط اور صحیح دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا۔

﴿ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ( انعام: 161)

**ترجمہ:** "آپ کہہ دیں کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم پر چلا دیا ہے۔ صحیح پائیدار دین جو کہ مذہب یا طریقہ ہے ابراہیم کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں سورۃ یٰسین کی ابتداء میں بھی فرمایا کہ بے شک آپ مُرسلین میں سے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی راہ پر ہیں۔ امام الانبیا ﷺ ہونے کی حیثیت سے اور سید و سردارِ آدم ہونے کے ناطے سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قرب کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں۔

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اِس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو

**اَلصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ**
**اَلصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ**

آپ اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اسکی عطا کردہ اتھارٹی سے **دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ** کے منصب پر فائز ہیں اور اللہ کے حکم پر اللہ کی محبت کے طلبگاروں کیلئے اعلان فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (ال عمران .31)

**ترجمہ:** آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کے متاع غرور اور شیطان کے مکروفریب سے آگاہ کر دیا کہ اس عارضی دنیا کی دلفریب لذتوں اور سفلی خواہشات میں پھنس کر نہ رہ جانا اصلی زندگی آخرت کی زندگی ہے جو بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور تم سب کو ایک دن اللہ کے سامنے جانا اور اپنے اعمال کا بدلہ پانا ہے۔ اپنی اصل منزل جان لو۔

☆ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰىo (النجم۔42)

ترجمہ:۔"اور بے شک تجھے اپنے ربّ کے پاس پہنچنا ہے"۔

اے انسان تیری آخری منزل تیرا ربّ ہے۔ اس لئے ہر مومن "منزل ما کبریا است" کو اپنا شعار بنالیتا ہے اور راستہ کی کسی چیز سے دل نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دیدار کی لذت کے سامنے اسے دارین کی نعمتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ وہ ماسواء اللہ کی طرف نگاہ ڈالنے کو بھی شرک جانتے ہوئے برابر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک صوفی بزرگ نے یہی پیغام پنجابی زبان میں دیتے ہوئے فرمایا۔

"غلام فرید میں دوزخ سڑ ساں جے یار ولوں مکھ موڑاں"

حضرت اقبالؒ نے اس خیال کو یوں باندھا ہے۔ ذرا توجہ فرمایئے!

مقام بندہ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تابہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اِس کا نشیمنِ ابدی
نہ تیرہ خاکِ لحد، نہ جلوہ گاہِ صفات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے باہمت بندوں کو مقربین بارگاہ بنانے سے پہلے ان کو طرح طرح کے امتحانوں میں ڈال کر پرکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾

(البقرة۔ 155تا 157)

**ترجمہ:** ''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ اور آپ خوشی سے برداشت کرنے والوں کو اللہ کی خوشنودی کی بشارت سنا دیں۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہو گئے اور ہم اِسی کی طرف جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

دنیا میں بھی امتحانوں کا انعقاد اِسی غرض کیلئے ہوتا ہے کہ کامیاب ہونے والوں کو اگلے درجوں میں ترقی دی جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے قرب و دیدار کے طالبوں پر اس نعمت کی تکمیل کرنے کیلئے پانچ پرچے مقرر کر رکھے ہیں۔ لیکن اس کے مخلص بندے جو اپنی جانیں اور اموال پہلے ہی اللہ کے ہاتھ بیچ چکے ہیں (سورۃ توبہ۔ 111) ان پر جب بھی ان میں سے کوئی مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے تو انکا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ ہم خود اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ حقیقی مالک جیسا چاہے تصرف فرمائے ہم اس کی رضا پر دل و جان

سے راضی ہیں۔ان کے اس اندازِ فکر اور طرزِ حیات پر اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ان پر مزید انوار و برکات کی بارش برسا دیتے ہیں۔حضرت میاں محمدؒ صاحب نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے۔

جنہاں دُکھاں تے دلبر راضی اوہناں توں سُکھ وارے
دُکھ قبول محمد بخشا، راضی رہن پیارے

ایک عام انسان کسی طرح بھی ایک نبی کے مقام کو نہیں جان سکتا تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خاص اور منتخب بندے تھے اور وہ روزِ ازل ہی نبوت کے منصب پر سرفراز کر دیے گئے تھے۔اپنے اپنے وقت میں وہ دوسرے انسانوں کیلئے نور و ہدایت کا ذریعہ اور داعی اِلی اللہ بنے۔

روزِ ازل اللہ تعالیٰ کی صدارت میں انبیاء کی ارواح کا خصوصی اجلاس ہوا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے کچھ عہد لیا اور انبیاء کو اِس دُنیا میں وہ عہد یاد رہا اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہوئے۔ قرآن کریم میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عہدِ الست کے موقع پر تمام انسانی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور ہمکلامی کے شرف سے نوازا۔موسیٰ علیہ السلام کے دیدار کا واقعہ قرآن کریم میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اِس لئے ایسا عقیدہ ہرگز نہیں رکھنا چاہیے کہ حضور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ جن کا نور ہر نور سے پہلے تخلیق کیا گیا اور انہیں کی خاطر یہ بزمِ کون و مکاں سجائی گئی انہوں نے اللہ کا دیدار نہیں کیا۔

خدارا ذرا سوچئے کہ ایسا عقیدہ رکھنے سے تو دین کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ایمان میں اولیت تو **اٰمَنْتُ بِاللّٰہ** یعنی میں اللہ کی ذات پر ایمان لایا ہوں، کی ہے۔اِس کے بعد تمام ارکان ایمان اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہیں۔یعنی اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اس کے

رسولوں پر اور اسکی پیدا کردہ حیات اخروی پر ایمان لانا۔ اگر اللہ کی ہستی پر ہی یقین کامل نہ ہوتو ایسے ایمان کی کیا قدر و قیمت رہ جائے گی۔

ذرا غور فرمایئے کہ ایسے عقیدہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر کبھی کبھی ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے ان کے چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے ہیں۔ انہیں کبھی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور کبھی گھنٹیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ان کا سر جھک کر گھٹنوں سے لگ جاتا ہے۔ اِس کیفیت میں اِسے کوئی آواز سنائی دیتی ہے یا ایک صورت نظر آتی ہے جو اِسے کہتی ہے کہ اللہ موجود ہے اور اس کے دیگر احکام اسے سناتی ہے اور مُدعیِ نبوت اس تعلیم کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ کتنی کمزور اور بودی بنیاد ہے اللہ کے دین کی جسے سن کر مستشرقین اور کفار یقیناً خوشی سے بغلیں بجائیں گے۔

ایسے عقیدے کا بودا پن ظاہر کرنے کیلئے قرآن کریم کی سورۃ النجم کا ایک بیان بڑا اہم ہے۔ اس میں حضرت جبرائیلؑ کے نزدیک آنے اور اپنی اصل صورت میں ظاہر ہونے کا ذکر بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار کو قَابَ قَوسَین سے بھی زیادہ قریب دکھایا گیا۔ دل کو دیکھنے کی بات بھی ہوئی اور سِدرَۃُ الْمُنْتَھٰی کی منظر کشی بھی کی گئی۔ پھر ارشاد ہوا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ٥ ''نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی''۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی٥

''بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کیا''۔

پھر اچانک مشرکین مکہ سے یہ سوال کیا گیا:

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی٥ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی٥

''کیا تم نے دیکھا ہے لات اور عزّیٰ کو اور منات کو تیسرے پچھلے کو''۔

یہاں مشرکین پر طنز کی گئی کہ تم نے سینکڑوں خیالی ہستیوں کے خود ہی نام گھڑ کر ان کے بت بنا لیئے ہیں۔ ایسے باطل معبودوں کی چاہے جتنی کوئی عبادت کرے، انہیں ہمہ وقت پکارتا رہے وہ نہ کبھی انکی پکار کا جواب دیں گے نہ مشکل وقت میں مدد کریں گے اور نہ ہی کسی کو ان کا دیدار حاصل ہو سکتا ہے۔ یہاں اللہ کے کلام پر تدبر و تفکر فرمائیں کہ عبارت کے الفاظ ہی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ میرے حبیب نے تو میرا دیدار کیا اور میری قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ کیں۔ اے مشرکین تمہارے عقائد باطلہ کی تو کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ کیا تم نے کبھی لات، منات اور عزیٰ کو دیکھا ہے۔ اِس مقام پر اس طرح کا سوال پوچھنا بنتا بھی ہے اور سجتا بھی ہے۔ اگر کوئی ایسا غلط عقیدہ رکھتا ہے تو وہ بتائے کہ یہ سوال پوچھ کر کیا اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اُلجھن میں ڈالنا چاہتے تھے۔ اگر مشرکین یہی سوال اُلٹا کر حضور ﷺ سے پوچھ بیٹھتے کہ ہم نے تو لات و منات کو نہیں دیکھا کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے؟ تو پھر حضور ﷺ انہیں یہی جواب دیتے کہ میں نے بھی اللہ کو نہیں دیکھا۔ تو پھر کیسی صورت حال تھی کہ دونوں کے عقائد کی بنیاد یکساں بے یقینی ہی ہے۔

اِس لئے اے اہل ایمان آپ دل و جان سے یہ عقیدہ رکھیں کہ ہمارے حضور ﷺ تمام انبیاء کے امام اور اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ کوئی بشر نیکی اور خوبی میں نہ حضور ﷺ سے افضل ہوا ہے نہ ہوگا۔ جیسا دیدار باری تعالیٰ آپ کو نصیب ہوا کسی دوسرے کو نہیں ہوا۔ آپ کو نہ صرف آنکھوں اور قلب سے دیدار کی نعمت عظمیٰ عطا ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ملکوت السّمٰوٰت وَالْاَرض کی سیر کرائی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا۔ آپ نے جنت کو دیکھا تو جنت کی بشارت دی۔ دوزخ کے مختلف عذاب دیکھے اور ان سے انسانوں کو ڈرایا اور جس اللہ کی ذات کا دیدار کیا اس کی طرف پوری انسانیت کو دعوت دی۔

عقل کو آستاں سے دُور نہیں
اِس کی تقدیر میں حضور نہیں
دِل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دِل کا نور نہیں
ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا
تو ہی آمادہ ظہور نہیں
(اقبالؒ)

تفسیر ابن کثیر سے ایک اقتباس پیش ہے۔

''بعض آسمانی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔پس تو اس سے غفلت نہ کر۔تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر۔مجھے ڈھونڈتا کہ مجھے پالے۔جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تُو کھو چکا۔سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے''۔(تفسیر ابن کثیر۔جلد پنجم،صفحہ 186)

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب تیری محبت کے سوا
(حسرت موہانی)

# زندگی اور خلافتِ ارضی

ہرانسان کی صلاحیتوں کا امتحان( سالانہ خطبہ اپریل 2012)

## رازِ حیات:

ایک قدیم ترین موضوع اور اولین وعظ پر روشنی ڈالنی ہے، جو انسانیت کی سب سے پہلی پود کو سنایا گیا اور پھر اس ازلی حقیقت کی آگاہی کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے اور پھر سب سے آخری رسول حضور نبی کریم احمد مجتبےٰ محمد مُصطفٰےؐ رحمۃٌ لِّلعٰلمین کی حیثیت سے پوری انسانیت کے لئے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے۔اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ سے نورِ ہدایت لے کر آئے تا کہ عام انسانوں کے ذہن میں زندگی کی حقیقت اور اس کے انجام کے بارے میں جو سوالات اُٹھتے اور اُلجھنیں جنم لیتی ہیں،ان کا واضح حل بتائیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے آئین حیات کو اپنا کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم کی دولت عطا کر کے بہت بڑا احسان کیا اور اس کے بل بوتے پر اس نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں۔لیکن ہر چیز کی طرح عقل کی بھی کچھ معین حدود ہیں جن کے اندر رہ کر وہ ایک حد تک انسان کی راہنمائی کرتی ہے لیکن اسے حریمِ کبریا ءتک نہیں پہنچا سکتی۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ راہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ راہگذر کو کیا خبر ہے

عقل کا دائرہ کار مادّی دنیا تک محدود ہے۔ وہ اَنفُس و آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی آیات پر تدبّر و تفکّر کے نتیجے میں جہاں فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر کے نت نئی ایجادات سامنے لا رہی ہے وہاں اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ملتا رہتا ہے۔ دورِ حاضر کی اس قدر مادی ترقی کے باوجود تمام بڑے بڑے سائنسدان اور مفکرین علی الاعلان یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ ہم ابھی تک مادیات کو بھی پوری طرح سمجھ نہیں پائے۔ ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے ہیں ہم پر نئے نئے علوم کے میدان کھلتے جا رہے ہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ جن باتوں کا ہمیں علم ہو چکا ہے ان کی نسبت جن باتوں کو ابھی تک نہیں جان سکے وہ بہت ہی زیادہ ہیں۔ جب مادّی اشیاء کے بارے میں عقل کی بے حسی کا یہ عالم ہے تو وہ روحانی عوالم اور الٰہیات کے بارے بھلا کیا راہنمائی کر سکتی ہے۔

اس لئے ترجمانِ قرآن، شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ضربِ کلیم میں ''زمانہ حاضر کا انسان'' کے عنوان کے تحت ان اقوام کی حالت بیان کی ہے جو ہدایتِ الٰہی کو نظر انداز کر کے صرف عقل کے بل بوتے پر زندگی کا سفر طے کرنے کے درپے ہیں اور دن بدن اپنے ہی بنائے ہوئے غیر فطری قوانین کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں۔ نتیجتاً اب زندگی کے ہر شعبے میں زوال کی حکمرانی ہے لیکن زندگی کی بے سکونی کو دور کرنے کے لئے انہیں ڈور کا سرا نہیں مل رہا۔

عشق ناپید و خردمے گزدش صورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

انسان وحیِ الٰہی کے بغیر زندگی کے راز کو سمجھ ہی نہیں سکتا اسلیئے وہ اپنی عقل سے اپنے لئے جو بھی آئینِ حیات مرتب کریگا وہ اسے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکے گا۔ چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اس لئے اپنی رحمت سے اس نے ہر قوم کی طرف اُنہی کی زبان میں اپنے پیغمبر بھیجے تا کہ انہیں دنیا اور آخرت کی زندگی سے متعلق حقائق سے آگاہ کر دیں۔

حضور نبی آخر الزّمان علیه الصلوٰة و السلام جو پوری انسانیت کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے، کی ایک حدیث قدسی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا''۔

اس حدیث مبارکہ نے زندگی کا راز افشاں کر دیا کہ مخلوق اسی لئے وجود میں لائی گئی کہ

وہ اپنے اپنے شعور کے مطابق اپنے خالق کی معرفت یا پہچان حاصل کرے، اُس کی حمد وثناء کرے اور اسکی دی گئی ہدایات کے مطابق صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اس کے قرب اور اسکی رضا کا مقام حاصل کرلے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَo﴾ (الذاریات۔55)

**ترجمہ:**"میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کچھ صحابہ کرامؓ اور متاخرین آئمہ کرام کا کہنا ہے کہ لِيَعْبُدُوْنَ سے مقصود لِيَعْرِفُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان کرنا ہے۔حقیقی بندگی کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے رحیم وکریم آقاﷺ کی صفات اور عظیم شان کی معرفت حاصل کر کے اس کے سامنے سر جھکا دے اور اللہ کی محبت میں از خود رفتہ ہو کر اس کے رسول علیہ السلام کا اتباع کرتے ہوئے اس کی رضا ولقاء حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اسی طرزِ حیات کا نام صراط مستقیم ہے۔قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر یہ حقیقت اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے؛

﴿إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰـذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾

(آل عمران۔51،مریم۔36،زخرف۔64)

**ترجمہ** : "پیغمبر نے فرمایا کہ بے شک اللہ میرا رب ہے اور بیشک تمہارا ربّ بھی وہی ہے۔اس کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے۔"

یہ صراطِ مستقیم مالک ارض وسماء کی طرف جانیوالی شاہراہ ہے جس پر مؤمنین چلتے اور نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں رواں دواں رہتے ہیں۔جو خوش نصیب اور پر خلوص بندے دوسروں سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں

شامل ہوجاتے ہیں۔اُن کے بارے میں سُورۃالواقعہ میں فرمایا گیا:

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ أُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔﴾ (آیت-۱۱)

گویا صراطِ مستقیم بندے کواللہ تعالیٰ کے قرب میں لے جانے والی یا بندے کواپنے مولا سے ملانے والی شاہراہ ہے۔اس راہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود بتادیا کہ کہاں تک پہنچائے گی:

﴿ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴾ (الحجر-4)

**ترجمہ:**''اللہ تعالیٰ نےفرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی۔''

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السّلام کے تذکرہ میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوموں کودعوت کی ابتداءاس اہم ترین امر سے کی کہ تمہاری کامیابی کی ضمانت اللہ تعالیٰ کی بندگی والی راہ کواپنانے میں ہے۔سب کی دعوت کے الفاظ الگ الگ سورۃالاعراف میں یوں درج ہیں:

☆ یٰقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُہٗ ۝

(حضرت نوح آیت 59،حضرت ھودآیت 65،حضرت صالح آیت 73،حضرت شعیب آیت 85)

**ترجمہ:** ''اے قوم! اللہ کی بندگی کرو۔اُس کے علاوہ کوئی دوسرا تمہارا معبود نہیں ہے''۔

## اِبتلا ءیا آزمائش:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو بہترین ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نواز کر اشرف المخلوقات پیدا کیا اور اسکی عظمت ورفعت کودیکھ کرنُور سے پیدا کئے جانے والے فرشتے بھی سربسجود ہو گئے۔اللہ تعالیٰ کی عطاءکردہ خصوصی صلاحیتوں کی وجہ ہی سے حیاتِ ارضی اس کے لئے آزمائش وامتحان بنادی گئی۔اسے اپنی سمجھ بوجھ اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت

کو قبول کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل ہو کر اس کی رضا حاصل کرنا ہوگی، لیکن اس کے لئے نہ تو ایمان لانے کے لئے کوئی جبر ہوگا نہ ہی عمل کے لئے۔ اس کا فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے اور وہی اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور قیامت میں اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔ اس عظیم امانت اور بھاری ذمہ داری کا ادراک و احساس اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنی حقیقی منزل کے حصول کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سُورۃ التّین میں یہ وضاحت فرمائی کہ:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾

**ترجمہ**: ''ہم نے انسان کو بہترین صلاحیتوں اور اُٹھان کے ساتھ پیدا فرمایا پھر اس کے ظاہری اور باطنی جوہر آزمانے کے لئے اسے اَسْفَلَ السَّافِلِین یعنی پست سے پست مادی حالت یعنی حیاتِ ارضی میں ڈال دیا۔''

اب جو لوگ ظاہری اور باطنی حواس کا درست استعمال کر کے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور صالح اعمال کے ذریعے اس کے قرب کے حصول کی راہ پر لگ جائیں گے، ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں موت وحیات کے نظام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاًo (الملک۔2)

**ترجمہ**! ''اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

قرآن کریم میں بار بار یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے اور جو لوگ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت میں زندگی گزارتے ہیں انہیں

آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری سناتا اور کفر کرنے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈراتا ہے۔
اُن کا منصب یہی ہے کہ وہ حیات ارضی اور حیاتِ آخرت کے حقائق تم پر واضح کر دیں۔
انکا کام اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دینا ہے۔ان پر ایمان لانا یا انکار کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکھف۔29)

**ترجمہ**: ''کہہ دو کہ لوگو یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے۔تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''

﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْo فَاعْبُدُوْا مَاشِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ (الزمر۔14 تا 15)

**ترجمہ**: ''آپ کہہ دو کہ میں اپنے دین کو خالص کر کے اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہوں۔تو تم اُس کے سوا جس کی چاہو بندگی کرو۔''

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًاo (الفتح۔17)

**ترجمہ**: ''اور جو شخص اللہ اور اسکے رسولؐ کے فرمان پر چلے گا اللہ اسکو بہشتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو روگردانی کرے گا اسے دردناک سزا دے گا۔''

## آخرت پر ایمان:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حیاتِ آخرت پر یقین رکھنا بھی لازمی ہے۔یہی دونوں دین اسلام کے بنیادی ارکان ہیں جو ماننے والوں کی زندگی کو بدل کر

رکھ دیتے ہیں ۔اگر ان پر یقین محکم نہ ہوتو پھر انسان میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے محروم رہ جاتا ہے ۔اور جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے قائل ہی نہیں اور اس مادی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ بہت بڑی گمراہی میں جا پڑے ہیں اور آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہونگے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے یہ تمام حقائق کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں لیکن فیصلہ اس اشرف المخلوقات کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے جس کے بارے میں حضرت اقبال کو گلہ ہے:

یہی آدم ہے سلطاں بحروبر کا
کہوں کیا ماجرا اِس بے بصر کا
نہ خودبیں نے خُدا بیں نے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہُنر کا؟

اب اللہ تعالیٰ کی آیات بینات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَاَنَّ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (بنی اسرائیل۔10)

**ترجمہ** : ''بے شک وہ لوگ جو حیاتِ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (النحل۔22)

**ترجمہ**: ''تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے دل انکاری ہیں اور وہ سرکش اور متکبر ہو رہے ہیں (یعنی اللہ کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں)۔

﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (البقرۃ۔212)

**ترجمہ** : ”جو کافر ہیں اُن کے لئے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے۔اور وہ مومنوں (کی سادہ زندگی کی وجہ) سے تمسخر کرتے ہیں۔لیکن جو پرہیزگار ہیں (یعنی دنیا کی چمک دمک سے بچے رہے) وہ قیامت کے دن ان سے بلند ہونگے۔اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے“۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ o (الشوریٰ۔20)

**ترجمہ** : ”جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو ہم اس کے لئے اُس کی کھیتی میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے ہیں۔اور جو صرف دنیا کی کھیتی ہی کا خواستگار ہو اُس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور اُس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا“۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o﴾ (ھود۔15 تا 16)

**ترجمہ** : ”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں اُن کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتشِ جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔اور جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا وہ سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع“۔

☆فَاَمَّا مَنْ طَغٰى o وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى o وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى o فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى o (النازعات۔37 تا 41)



Muhammad Yaqoob Tauheedi (Shakh Silselah Tauheediyah)
Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

**ترجمہ**: ''تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا اُس کا ٹھکانا بہشت ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کی اصل روح بتا دی کہ اپنے نفس کو مادی خواہشات اور حرص وہوا سے روک کر رکھنا ہی حقیقی پرہیز گاری ہے۔ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ بجلی کے بلب میں سے ہوا نکال دیتے ہیں اسی لئے اس کے اندر جو فلیمنٹ یا تار ہوتا ہے وہ روشنی دیتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے شیشے کے خول کے اندر ہوا داخل ہو جائے تو پھر بجلی کی قوت سے تار گرم ہو کر سرخ تو ہو جائے گا لیکن روشنی ہرگز نہ دے گا۔ آپؒ نے فرمایا انسان کا دل بھی بلب کی طرح ہے یہ بھی اسی وقت روشن ہوتا ہے جب اس سے ہوا یعنی حرص وہوا نکال دی جائے۔ ورنہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گرم تو ہو جائے گا لیکن ہوا کی موجودگی میں روشن ہرگز نہ ہوگا۔ اور یہ محنت انسان صرف اس لئے کرتا ہے کہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس نے ایک دن اللہ کے ہاں پیش ہونا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لاتے ہیں ان کا اپنا ہی بھلا ہوگا اور جنہوں نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں اس کا وبال بھی انہی پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اطاعت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ جب قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا اور ہر کوئی اپنی قبر سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا تو پھر نہ ماننے والوں کو ضرور اچنبھا ہوگا اور ان کی حالت دیدنی ہوگی جس کا نقشہ قرآن کریم نے یوں کھینچا ہے:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ٥ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ٥ (یٰسٓ۔ 51 تا 52)

**ترجمہ** : ''اور جس وقت صُور پھونکا جائے گا یہ قبروں سے نکل کر اپنے ربّ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔کہیں گے اوہ! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھادیا۔یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔''

اب اس مقام پر سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔نہ تو واپسی کی کوئی امید ہوگی اور نہ ہی بخشش کی کوئی سبیل۔وہاں کوئی رشتہ دار اور دوست کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ نہ باپ اپنے بیٹے کی مدد کر سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا بچاؤ کر پائے گا۔اس زندگی کی مُہلت ہی ایمان وعمل کا میدان ہے۔یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو یہاں بوؤ گے وہی کاٹو گے اور جو کرو گے وہی بھرو گے۔یہی اللہ کا نظام ہے۔

## محبت اور ترجیحاتِ حیات:

جو لوگ سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نمازوں سے ایسا سرور واطمینان حاصل ہوتا ہے جس کے سامنے دنیا و آخرت کی ہر لذت ہیچ نظر آتی ہے۔انہیں سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کو اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا۔یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی تمام خوبیوں اور نیکیوں کا منبع ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں محبت کے معاملے میں انسانوں کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ارشاد ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ (البقرہ۔165)

**ترجمہ** : ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھہرا لیتے ہیں اور اُن سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی محبت اور دولتِ ایمان اِس پُتلاءِ خاک کو ایسا ذوقِ پرواز عطاء کرتے ہیں کہ اس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے طالبوں کو بلند درجات سے نوازنے کے لئے بڑے کٹھن مراحل سے گزارتا ہے لیکن وہ لگن کے سچے اور دُھن کے پکے بڑی استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے ہی چلے جاتے اور اللہ کا قرب اور اسکی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
حریمِ ذات ہے اس کا نشیمنِ ابدی
نہ تیرۂ خاکِ لحد نہ جلوہ گاہِ صفات

اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ہی ایک مومن کی زندگی کا اُسلوب بدل جاتا ہے۔ اس کے اندازِ فکر اور طرزِ عمل میں انقلاب آ جاتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی طالبِ دنیا کی بجائے طالبِ مولیٰ بن جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں توکل علی اللّٰہ اور تبتل الی اللّٰہ والی زندگی اپنا لیتا ہے لیکن تمام دُنیوی فرائض اور حقوق العباد بھی خوش اُسلوبی سے ادا کرتا رہتا ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اللہ کا دین نہ تو دنیا کو ترک کرنے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اسلئے قرآنی تعلیم کے مطابق مردِ مومن کی ترجیحات ایک عام انسان سے بالکل علیحدہ ہو جاتی ہیں جیسا کہ کرگس اور شاہین اگر چہ

ایک ہی فضا میں پرواز کرتے ہیں لیکن مطمع نظر میں فرق ہونے کی وجہ سے دونوں کے جہاں الگ الگ ہوتے ہیں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص۔83)

**ترجمہ:** ''وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اُسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں بڑائی اور فساد کے طلبگار نہیں ہوتے۔ اور نیک انجام تو پرہیز گاروں کے لئے ہے۔''

کیونکہ وسیع تر مفہوم کے مطابق تقویٰ سے مراد دنیا کی محبت اور اس کی پُرفریب چمک دمک سے بچنا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی آپ نے سُن رکھا ہوگا کہ ''دُنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔'' یہ یاد رکھیں کہ دنیا نہیں بلکہ دنیا کی محبت کو مطعُون کیا گیا ہے بانی سلسلہ کا فرمان ہے کہ ''دنیا اگر نیک لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی تو نیک کاموں ہی میں صَرف ہوگی''۔ اس لئے دنیا سے تو آپ بھاگ نہیں سکتے اس لئے اسے آخرت سنوارنے کیلئے استعمال کرو۔ مقصود یہ ہے کہ دُنیا سے نہ ہی پیار کرو نہ ہی اسے ترجیح دو۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝﴾ (الاعلیٰ۔16 تا 17)

**ترجمہ:** ''تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے''۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ﴾ (النحل۔107)

**ترجمہ:** ''انہیں عذاب اس لئے ہوگا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا۔ اور بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالاً ٥ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً ٥ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً﴾ (الکھف۔103 تا 105)

**ترجمہ** : ''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں کہ عملوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں۔وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی ہی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کررہے ہیں ۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے کی بات کو نہ مانا سوان کے اعمال ضائع ہوگئے اور قیامت کے دن ہم ان کے لئے کچھ بھی وزن یعنی میزان قائم نہیں کریں گے۔''

اُمید ہے آپ ان آیات کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں۔ایک گروہ تو صرف مادی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اِسی کا طالب ہے وہ نہ تو وحیِ الٰہی پر ایمان لاتا ہے نہ ہی حیاتِ آخرت کو مانتا ہے اس لئے وہ من مرضی کی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے دیوانہ وار دوڑے چلا جارہا ہے اور دوسرا گروہ اللہ تعالٰی، اسکے رسولوں، اسکی کتابوں اور حیات آخرت پر ایمان لاتا ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دیتا اور مولٰی مرضی والی زندگی بسر کرتا ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔

مذکورہ بیان کی گئی آیات کے علاوہ ایک خاص حکم جو اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ازواج مطہرات کے لئے نازل فرمایا اس سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ جب ہماری ماؤں کو ایسی سخت وارننگ دی جارہی ہے تو پھر او لا د بیچاری کا کیا بنے گا۔

ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْراً عَظِيماً ۝ (الاحزاب۔28 تا 29)

**ترجمہ** : ''اے پیغمبرﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اسکی زینت وآرائش کی خواستگار ہوتو آؤ میں تمھیں کچھ مال دوں اور رخصت کردوں۔(یعنی تمہارا اور میرا ساتھ نہیں چل سکتا) اور اگر تم اللہ، اسکے رسول اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہوتو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں، انکے لئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کررکھا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے انتخاب کے لئے ایک طرف دُنیا اور اسکی زینت کو رکھا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ، اسکے رسولﷺ اور آخرت کو رکھا ہے اس طرح واضح کردیا گیا کہ یہ دو نہ صرف متقابل نظریات، متخالف اندازِ حیات بلکہ جدا جدا راستے ہیں۔اگرچہ دُنیوی نعمتوں میں سے بھی اللہ تعالیٰ جتنی چاہے گا تمہیں ملتی رہیں گی لیکن تمہاری سعی اور محنت مال و جاہ کے حصول کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا، اسکے رسولﷺ کی خوشنودی اور آخرت سنوارنے کے لئے ہونی چاہئے۔الحمدُ للہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس دوٹوک فرمان پر ہماری محترم ماؤں نے دُنیا اور اس کی نعمتوں کو پسِ پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ، اُسکے رسولؐ اور آخرت کے گھر کی محبت کو ترجیح دی اور ہر حال میں حضور نبی کریمﷺ کی رفاقت کو ترجیح دینے کا اعلان کردیا۔اللہ تعالیٰ ہماری مقدس ماؤں پر لاکھوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے ایسا ایمان اور عزم عطا فرمائے کہ ہم بھی دنیا کے متاعِ غرور کی محبت سے نکل کر اللہ تعالیٰ، اُسکے رسولﷺ اور آخرت کے طلبگار بن جائیں تاکہ ہماری قابلِ صد فخر مائیں ہمیں اپنی اولاد تسلیم کرلیں۔آمین! اس باب کو حضرت ذوقؔ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

## زبان سے اقرارِ ایمان:

اگر چہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ انسان اپنی زبان سے کلمہ شہادت ادا کر دے لیکن حقیقتِ ایمان کا انحصار قلب کی تصدیق پر ہے۔ یہاں معاملہ انسانوں کو دکھلانے اور راضی کرنے کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہے جو ہمارے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے وسوسوں اور ذہن میں اٹھنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ زبان کے اقرار سے تو بندہ اسلام کے دروازے میں داخل ہو جاتا ہے اور مسلم معاشرے کا فرد بن جاتا ہے لیکن مومن تب بنتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کا تابع فرمان بن جاتا اور ایمان اس کے دل کے اندر راسخ ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ "جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو مانتا ہے وہ مسلمان ہے اور جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مانتا ہے وہ مومن ہے۔" اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں صرف زبان سے اقرارِ ایمان کرنے والوں کو بتا دیا کہ میرے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں تا کہ وہ خلوصِ عمل کی راہ اپنا کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحجرات.14)

**ترجمہ** : "دیہاتی کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ٥﴾ (العنکبوت۔2)

**ترجمہ** : ''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔''

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ٥يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ﴾(البقرہ۔8تا9)

**ترجمہ** : ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ اپنے پندار میں اللہ کو اور مومنوں کو چکمہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں اپنے سوا کسی کو چکمہ نہیں دیتے مگر اس کا شعور نہیں رکھتے۔''

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ﴾ (المائدۃ۔41)

**ترجمہ**: ''اے پیغمبر! انکے لئے غمناک نہ ہونا جو لوگ کفر میں گرنے کی جلدی کرتے ہیں یہ ان میں سے ہیں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں۔''

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ بھی ہے جس کا مفہوم یوں ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

شاعرِ مشرقؒ نے بھی کئی جگہ یہی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

تُو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ اِلّا
لُغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

لَا اِلٰہ گوئی بگو از رُوئے جاں
تاز اندامِ تو آید بُوئے جاں

یعنی لَا اِلٰہ پڑھنا ہے تو سچے دل سے پڑھو تا کہ تمہارے انداز و اعمال سے ایمان کی خوشبو آئے یعنی تو نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی غلامی میں دے دیا ہے تو پھر تیرے اقوال و افعال سے اللہ تعالیٰ کا رنگ جھلکنا چاہیے۔

اس لئے مجھے، آپ کو اور دنیا کے ہر انسان کو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی فلاح کی فکر ہونی چاہیے کیونکہ کل روزِ قیامت جو عظیم ہستی کرسیِ عدالت پر بیٹھے گی وہ خود ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہوگی اور ہمارے اعمال کو دیکھ رہی ہے۔ اس ذاتِ کریم نے گزشتہ اور اُن سے پیوستہ اور موجودہ اقوام کے ان پیارے بندوں کی صفات کی جھلک بھی ہمیں دکھا دی جو فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو گئے۔

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالصَّابِؤُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وعَمِلَ صَالِحاً فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (المائدہ۔69)

**ترجمہ** : ”بے شک موجود ہ ایمان والے لوگ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور صابئین اور نصاریٰ ان میں سے جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے ان کو قیامت کے روز نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔“

اس آیتِ مبارکہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ہر دور کے انسان کو فلاح پانے کے لئے اللہ تعالیٰ اور حیاتِ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ صالح اعمال سے بھرپور اور معمور زندگی بھی گزارنا پڑی۔ آج کے انسان کے لئے بھی یہی دعوت ہے اور اس کے سامنے عمل کا میدان کھلا ہے۔ اس زندگی کی مختصر مدت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے وقف کر دیں تو دونوں جہان سدھر جائیں گے۔ فلاحِ انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ

کا آئین قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے، اسے سمجھ کر پڑھنا ہر انسان کی ضرورت ہے۔ مسلمان بھی پڑھیں اور غیر مسلم بھی۔ اس میں نور، رحمت اور ہدایت ہے ہر سچے طالب کے لئے۔

## خلافت ارضی:

اب ہم ایک اہم موضوع ''خلافت ارضی'' کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لیں گے جس کا ہر انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا اور براہ راست تعلق ہے لیکن اس کی غلط تعبیر کی پیدا کردہ غلط فہمیوں نے اس طاقتور اخلاقی محرک کو غیر مؤثر بنا کر رکھ دیا ہے قرآن کریم کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم اور خلافت ارضی کا ذکر یوں فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ۔30)

**ترجمہ** : ''اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تو اُس کو اس میں بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

اس آیت مبارکہ میں پہلی مرتبہ خلافت ارضی کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا خلیفہ یا نائب بنانا چاہتا ہوں بلکہ کسی دوسری جگہ پر بھی یہ بات نہیں کی گئی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان ہے کہ اسے کسی وزیر، مشیر، خلیفہ یا نائب کی ضرورت ہو۔ عربی زبان میں خلف کا لفظ پیچھے، پیچھے آنے والا، جانشین اور وارث کے معنوں میں آتا ہے۔

خلیفہ بھی نائب یا جانشین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جن چار اصحابِ رسول نے آپ کی جانشینی کا منصب سنبھالا، انہیں خُلفائے راشدین کہا جاتا ہے حضرت ابوبکرؓ کو سب مسلمان "خَلِیفَۃُ رَسُول" کہا کرتے تھے۔یہ امر اس حقیقت کی ترجمانی کرتا تھا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ ان کے جانشین بنے جب حضرت عمرؓ نے یہ منصب سنبھالا تو انہیں بھی "خلیفۂ رَسُول" پکارا جانے لگا تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں خَلِیْفَۃُ رسول نہیں ہوں۔میں تو ابوبکرؓ کا خلیفہ ہوں۔اس پر انہیں خَلِیفَۃُ الْخَلِیفَۃُ رَسُول پکارا جانے لگا۔ یہ لقب ذرا لمبا بھی تھا اور اگلے خلفاء کے دور میں یہ طوالت مزید بڑھ جاتی اسلئے یہ زیادہ مقبول نہ ہوسکا۔ اس پر اَمیرُ المُؤمنین کی اصطلاح سامنے آئی جو مقبولِ عام ہوگئی اور آج تک یہی رائج ہے۔ اس سے بھی خلیفہ کے معنی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

کسی پیغمبر، پیر یا شیخ کی وفات کے بعد اس کی جگہ لینے والے کو تو خلیفہ کہنا بجا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نہ تو کہیں گئے ہیں کہ کوئی ان کی جگہ لے۔زمین اور آسمانوں پر اُسی کی حکمرانی ہے۔ وہی مالکُ المُلک ہے وہ جسے چاہتا ہے کسی ملک کی حکمرانی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔خلافت ارضی ایک نظام کی حیثیت سے نوعِ انسانی کو عطا کی گئی نہ کہ کسی ایک فرد کو۔ پورے کرہ ارض پر حکمرانی کرنے والا کوئی بادشاہ نہیں ہوا جسے خلیفہ کہا جا سکے اس لئے خلافت سے مراد ایک دوسرے کے پیچھے آنے والوں کا نظام ہے۔یعنی انسانوں میں سے ہر ایک تھوڑے سے عرصہ کے لئے کچھ اختیارات کے ساتھ اپنے ماتحت افراد اور ذرائع پر حکمران مقرر کیا جاتا ہے پھر وہ اپنی زندگی گزار کر چلا جاتا ہے تو پھر اس کا بیٹا یا جانشین اس کی جگہ لے لیتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ سب کو باری باری آزماتا ہے کہ ہر کوئی اپنے وقت اور اختیارات کے ساتھ کس طرح کے اعمال انجام دیتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے کہ "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْل"۔۔۔۔الخ
یعنی تم میں سے ہر فرد حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی غلام بکریاں چرانے پر مامور ہے تو اس سے اس کی بکریوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ اس کی حکمرانی بکریوں تک ہی محدود تھی۔ یہ حدیث مبارکہ بھی خلافت کی بہت اچھی تشریح ہے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی خلافت کا ذکر آیا ہے ان کے مطالعہ سے بھی یہی حقیقت کھلتی ہے کہ تمام انسان باری باری اس دنیا میں بھیجے جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے جوہر آزمانے کا موقع دیا جائے گا۔ لیکن بعض بزرگوں نے انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنا ڈالا اور یہ بات تفسیروں اور ترجموں میں بتکلف لکھ دی گئی۔ اس طرح ہر انسان پر حکمرانی کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس سے بچ نکلنے کی راہ ہموار کر دی گئی اور آج کوئی فرد واحد بھی اپنے آپ کو اس عظیم ذمہ داری کا اہل تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے مطالعہ اور تدبر و تفکر کے لئے مزید قرآنی آیات پیش کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان میں کہیں بھی کسی ایک فرد کو خلیفہ کا منصب نہیں سونپا گیا بلکہ پوری نسل یا قوم کو خلفا یا خلائف کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اب آیات بینات تحریر کی جاتی ہیں:

﴿ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴾ (یونس۔73)

**ترجمہ**: "اور قوم نوح نے انکی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو بچا لیا اور انہیں خلیفے بنا دیا۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اُن کو غرق کر دیا۔ تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیسا انجام ہوا۔"

یہاں قوم نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے لیکن آپ کے بارے میں ارشاد نہیں ہوا کہ اُن کو خلیفہ بنایا بلکہ یہ بیان ہوا کہ باقی قوم تو طوفان میں غرق ہوگئی لیکن جو لوگ آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے وہ بچ گئے اور انہیں ہم نے خلائف بنا دیا یعنی اب کاروبارِ حیات کا اختیار اور اقتدار اُن کے ہاتھ میں آ گیا اور ان کی آزمائش کا دور شروع ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ھود علیہ السلام قومِ عاد کی طرف بھیجے گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ تم سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نافرمانی کے باعث طوفان میں غرق کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں اقتدار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو کرو ورنہ تمہارا انجام بھی پہلی قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

﴿وَاذْكُرُوٓاْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوٓاْ آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝ (الاعراف۔69)

**ترجمہ:** ”اے قوم یاد کرو جب اُس نے تم کو قومِ نوح کے بعد خلفاء بنایا اور جسمانی ساخت میں تمہیں زیادہ پھیلاؤ دیا۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ نجات حاصل کرو۔“

اگلی آیت میں قومِ ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا اور دنیا کی محبت میں مبتلا قوم کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی یاد دلائی اور بتایا کہ تم سے پہلے قومِ عاد پر عذاب آیا اور اب تمہیں زمین پر خلفاء بنایا گیا ہے تا کہ تمہاری آزمائش کی جائے۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاذْكُرُوٓاْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُوراً وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتاً فَاذْكُرُوٓاْ آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (الاعراف.74)

**ترجمہ:** ''اور یاد کرو جب اس نے قوم عاد کے بعد تمہیں خلفاء بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔''

اوپر دی گئی آیات میں خاص امتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ خلافت کے نظام میں ہر انسان کو اقتدار دے کر اس کی صلاحیتوں کو آزمانا مقصود تھا اس لئے دو مقامات پر اپنی شان بتانے اور احسان جتلانے کے لئے خلافتِ ارضی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

☆ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ط أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ o (النمل۔62)

ترجمہ! ''بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون اسکی تکلیف دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں خلیفے بناتا ہے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ مگر تم بہت کم غور کرتے ہو۔''

﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴾ (الفاطر۔39)

**ترجمہ:** ''وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفے بنایا۔ تو جو (اس خصوصی اعزاز اور اعتماد کو) نہ مانے اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے۔ اور کافروں کے کفر سے ان کے ربّ کے ہاں ناخوشی ہی بڑھتی ہے اور کافروں کے حق میں ان کا کفر خسارے میں اضافہ کریگا۔''

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ خلافتِ ارضی اللہ تعالیٰ کا خصوصی اعزاز ہے جو انسان کو اس کی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کی بنا پر عطا کیا گیا تاکہ اس کی آزمائش کی جائے۔ اسلئے ہر مومن انسان کو چاہیئے کہ اس عظیم ذمہ داری کو قبول کرلے اور اللہ تعالیٰ کے

اعتماد پر پورا اترنے کیلئے اپنا تن من دھن لگا دے تا کہ اس کی رضا حاصل کر سکے۔ جو لوگ اس احساسِ ذمہ داری سے محروم ہیں، انہیں یہاں کافر کہا گیا ہے اور انکے انجام کی خبر بھی دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الحدید میں موجودہ نسلِ انسانی کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت وراثت یا خلافت کے نظام کے تحت اُن کے قبضے میں دیا ہے اسے اس کی راہ میں خرچ کر کے اپنی آخرت کی زندگی کے لئے سرمایہ بنالیں۔

﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ (الحدید۔7)

**ترجمہ:** ”ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر۔ اور خرچ کرو اس مال میں سے جو اُس نے تمہیں خلافت میں دلایا ہے۔ پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہوگا۔“

اب ہم اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم پیغمبر حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمے کا ذکر کریں گے جو اللہ کریم نے قرآن مجید میں بیان فرمادیا تا کہ خلافت ارضی کی حقیقت کُھل کر ہمارے سامنے آ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

﴿ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: 129-128)

**ترجمہ:** ”موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔ زمین تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے۔ اور آخر کار بھلائی تقویٰ

اختیار کرنے والوں کے لئے ہے۔وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور تمہارے آنے کے بعد بھی۔موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اُس کی جگہ تمہیں زمین میں خلافت عطا کر دے۔پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

ان دو آیات میں خلافتِ ارضی کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ کسی غلط تعبیر یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں رہی۔پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی جابر حکمران کے تحت زندگی بسر کرنے کی آزمائش میں ڈال دیئے جاؤ تو مایوس اور بددل ہرگز نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور مصائب کو حوصلے کے ساتھ برداشت کرو۔دوسری بنیادی حقیقت بتائی گئی کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔اس نے کسی کو اس پر اجارہ داری قائم کرنے کی رخصت نہیں دی۔وہ اپنی مرضی سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے۔لیکن دُنیا کا اقتدار یا سیادت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی علامت ہرگز نہیں۔بلکہ آخرت کی کامیابی انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جو تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے یعنی دنیا کی محبت میں کھو جانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دیں گے۔

اس کے بعد خلافتِ ارضی کی سنتِ الٰہی کے تحت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس جابر اور حکمران قوم کو کسی طریقہ سے ہلاک کر کے منظر سے ہٹا دے اور تمہیں زمین پر قابض کر دے تا کہ دیکھے کہ اقتدار حاصل ہونے پر تم کیسے کارنامے انجام دیتے ہو۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو پانی میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو زمین کا وارث بنا دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔آپ ﷺ نے بنی نوع انسان کو یہ دعوت دی کہ

اَللّٰہ وَحدَہٗ لا شریکَ لہ ' کی بندگی اختیار کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ جس پر چلتے ہوئے ہر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب اور اسکی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ انہیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ قانونِ خلافت کے تحت اب تم سب کا امتحان ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے اقتدار اور اختیار کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اور حیاتِ آخرت کو ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے کامیاب ہو جاتے ہو یا دنیا کی محبت میں پھنس کر نا کام ہو جاتے ہو۔ یہ تعلیم قرآن کریم کی ان آیاتِ مبارکہ کا عکس ہے جن میں فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ (یونس۔13 تا 14)

**ترجمہ** : ''اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا ہلاک کر چکے ہیں۔ اور ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ہم گنہگاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کے بعد تم لوگوں کو زمین میں خلفاء بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔''

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (الانعام۔165)

**ترجمہ** : ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کے خلفاء بنایا اور ایک دوسرے پر تمہارے درجے بلند کئے۔ تا کہ اس نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا ربّ جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔''

## مقربینِ بارگاہ

امید ہے اب آپ زندگی او رخلافتِ ارضی کے بارے میں اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ یہ ایک حقیقت کے دو نام ہیں ۔اور دونوں سے مقصود انسان کی آزمائش ہے اسلئے ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو پوری سنجیدگی کے ساتھ اس ذمہ داری کو کامیابی سے نباہنے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں کو لگا دینا چاہئے تا کہ اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اشرف المخلوقات کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بھی دیگر حیوانات کی طرح مادی دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے صرف اسی کا والہ وشیدا ہو کر اپنے مقصودِ حیات سے محروم رہ جائے بقول علامہ اقبالؒ:

یہ کافری نہیں تو کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ مومن ہو گرفتارِ حاضر و موجود

یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ انسان کو جس طرح چاہے آزمائے۔وہ چاہے تو اعلیٰ مراتب،خصوصی جسمانی،ذہنی اور روحانی طاقت اور کثرتِ مال واولاد سے ہمارا امتحان لے یا اس کے برعکس حالات پیدا کر کے ہمارے تقویٰ وصبر کو جانچے ۔اس دنیا میں رزق اور مراتب کی درجہ بندی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت کرتا ہے اور وہ اپنے کام میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔بندے کو اپنے مالک کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اسکے احکام کی فکر ہونی چاہیے تا کہ ان پر عمل کر کے اللہ کی رضا حاصل کی جا سکے۔جو مردِ مومن زندگی کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے وہ ہر حال میں خوش رہنے کی خُو پیدا کر لیتا ہے۔وہ تنگ دستی اور عسرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہیں کرتا بلکہ اس بات پر اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ مجھے دولت کی سنہری اور

بوجھل زنجیروں سے نہیں آزمایا گیا۔اللہ تعالیٰ کی محبت اُسے اِستغناء کی وہ دولت عطا کرتی ہے کہ اسکا دل دونوں جہاں کی نعمتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔مولانا ابوالحسن ندوی" تاریخِ دعوت وعزیمت" میں لکھتے ہیں۔"اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی بے تعلقی کے بعد انسان کو خصوصی سکینت اور سرور حاصل ہوتا ہے کہ زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے"۔

ابنِ تیمیہ نے خود ایک مرتبہ فرمایا:

"اِنَّ فِی الدُّنْیَا جَنَّةٌ مَنْ لَّمْ یَدْخُلْھَا لَمْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِی الْاٰخِرَةِ۔"

"یعنی بے شک دنیا میں بھی جنت ہے۔جو یہاں اس میں داخل نہیں ہوتا وہ آخرت میں بھی داخل نہ ہوگا۔"

قرآن کریم کی سُورہ انفطار کی چند آیات سے بھی کچھ ایسا ہی تاثر ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْـرَارَ لَـفِـیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْـفُـجَّـارَ لَـفِـیْ جَحِیْمٍ ۝ یَـصْـلَـوْنَھَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ﴾ (13 تا 16)

**ترجمہ:** "بے شک نیکوکار نعمتوں کی بہشت میں ہیں۔اور بدکار دوزخ میں ہیں۔جزا کے دن اس سے جا ملیں گے۔اور وہ اس سے غائب نہیں ہو سکیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک دعا بھی تعلیم فرمائی ہے جس میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یکساں بھلائی طلب کی گئی ہے۔اس کے بارے میں بانیِ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے اچھی دعا اور کوئی نہیں ہے:

﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

**ترجمہ:** "اے ہمارے ربّ ہمیں دنیا میں بھی بھلائیاں اور نعمتیں عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائیاں اور نعمتیں عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ساتھ اس دنیا کے بعد عالم برزخ یعنی قبر میں بھی مومنین کے ساتھ رہے گا۔حضور رحمۃ للعالمین کا فرمانِ عالی شان ہے کہ:

''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے۔یہ بھی فرمایا کہ مومن کی قبر میں جنت کی طرف اور کافر کی قبر میں دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔یعنی دونوں گروہوں کا تعلق دنیا اور برزخ دونوں میں ان کے اصل مقام سے قائم رہتا ہے۔زندگی کے اس سفر اور منزل کے حصول کے لئے فیصلہ صرف آپ نے کرنا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾(الدھر۔3)

ترجمہ!''ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے۔اب اس کی مرضی ہے چاہے شکر و اطاعت کی راہ اپنائے یا کفر و معصیت کی''۔

انسان کو اس کائنات میں اپنے مقام سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان میں جو کچھ ہے انسان کے لئے پیدا کیا ہے لیکن انسان کو اپنی محبت اور معرفت کے لئے بنایا ہے۔علامہ اقبالؒ کے فلسفہ خودی کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو جان لے تا کہ اس کی سمت درست ہو جائے اور دنیا کے متاع غرور کے فریب سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو جائے علامہ اقبالؒ کی ایک رباعی پر یہ بیان ختم کرتا ہوں:

ہائے غفلت کہ تیری آنکھ ہے پابندِ مجاز
ناز زیبا تھا تجھے، تُو ہے مگر گرمِ نیاز
تُو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیاہ روز رہے پھر، نہ سیہ کار رہے

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

## مختصر سالانہ خطبہ 2013ء

برادران کرام! آپ سب بانیٔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی روشن کی ہوئی شمع توحید سے اقتباسِ نور کرنے والے مبارک لوگ ہیں۔ اگر چہ آپ سب ان کی تعلیم سے اچھی طرح آگاہ ہیں پھر بھی جو باتیں زیادہ اہم ہوتی ہیں ان کا بار بار تذکرہ کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ تعلیم کی بنیادی باتیں ذہنوں میں تازہ رہیں اور عمل میں سستی واقع نہ ہو۔ کیونکہ آپ نے جس راہ کا رضا کارانہ انتخاب کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کے طالبین اور مقربینِ بارگاہ کا طریقہ ہے اور اس میں بے عملی تو درکنار سستی اور کاہلی کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

بانیٔ سلسلہؒ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اُمت مسلمہ کے زوال کے اسباب کا کھوج لگانے میں صرف کیا اس کے ساتھ ساتھ ان تنظیموں کا بھی مطالعہ کیا جو اُمت کے دوبارہ عروج کیلئے قائم ہوئیں۔ آپ سب بھائی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ آخر کار آپؒ نے صوفیاء کرام کے روحانی طریقہ اصلاح کا انتخاب کیا آپ نے اگر چہ نقشبندیہ، چشتیہ اور اویسی بزرگوں سے فیض حاصل کیا لیکن آپ نے تصوف میں موجود خرابیوں کو دور کر کے اس کی تعلیم کو زمانہ حاضر کے تقاضوں کے مطابق بنا کر ایک نئے سلسلہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تعلیم قرآن و سنت کے عین مطابق ، فرقہ واریت ، قبر پرستی اور شخصیت پرستی سے پاک ہے۔ سلسلہ توحیدیہ کے اذکار اور اشغال مختصر اور سہل العمل ہونے کے باوجود اتنے موثر ہیں کہ سالک چند ہفتوں ہی میں اپنے اندر واضح تبدیلی محسوس کر کے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی راہ اختیار کر لیتا ہے جو کہ حقیقی فلاح کا راستہ اور تصوف کا

مقصود اعظم ہے۔ بانی سلسلہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف راہ حق کے طالبان کو حریم کبریاء سے آشنا کرایا بلکہ امت مسلمہ کو وہ لائحہ عمل بھی دیا جس پر چلتے ہوئے وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ آپؒ نے اسلامی تصوف کو کرامات کے افسانوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حصول کا ذریعہ بنا دیا۔

بانی سلسلہؒ نے اپنے ساتویں خطبے میں یہ بات علی الاعلان فرمائی "آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ سب قرآن اور احادیث رسول کریم ﷺ سے ہے میری اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ایک ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے بشرطیکہ آپ اپنی بہبود اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں۔ اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے۔"

(چراغ راہ صفحہ 156)

"میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مجتبیٰ ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو۔ میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لونگا۔ جو لوگ اس راستہ پر چلنا نہیں چاہتے ان کو چاہیے کہ حلقہ سے الگ ہو جائیں اور کسی ایسے سلسلہ میں شریک ہو جائیں جو ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو"۔

(چراغ راہ صفحہ: 53)

جن لوگوں نے سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ رواجی پیری مریدی کا نظام نہیں ہے بلکہ اُمت کی نشاط ثانیہ کے لئے روحانی اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصود مخصوص انداز فکر رکھنے والے با کردار صوفیوں کی جماعت تیار کرنا ہے جو قلبی و روحانی قوت کے ذریعے دوسرے بھائیوں کی بھی اصلاح کر سکیں۔

سلسلہ توحیدیہ کے طریقہ پر سلوک طے کرنے والوں کا ہدف کشف و کرامات، سلب امراض، اور تعویذ گنڈوں سے علاج ہرگز نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق نماز، کثرت ذکر اور تزکیہ اخلاق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قرب اور دیدار کا حصول ہے۔ تعویذ گنڈے کرنا بزرگوں کا نہیں بلکہ عاملوں کا کام ہے۔ بزرگ صرف دعا کرتے ہیں۔

ہمارے سلسلے میں اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا۔ بانی سلسلہ کی ہدایات کے مطابق ہر نئے آدمی کو پہلے طالب بنایا جاتا ہے۔ یعنی اس کو سلسلے کے ذکر اذکار، تزکیہ اخلاق کے قاعدے اور دوسرے آداب سمجھا دیئے جائیں اور اس سے کہہ دیا جائے ان تمام باتوں پر عمل کر کے دکھاؤ۔ جب تم میں روحانیت کے آثار پیدا ہو جائیں گے تو تم کو بیعت کر لیا جائے گا۔ طالب کو طالب بننے سے پہلے یہ بھی بتا دو کہ فقیری آسان کام نہیں ہے۔ اس میں آزمائشیں ضرور پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے طالبوں کو بھوک، خوف، جان و مال، کھیتی باڑی میں کمی اور عزت و صحت پر ہر طرح سے آزماتا ہے۔ منزل مقصود پر وہی لوگ پہنچتے ہیں جو ثابت قدم رہ کر برابر اللہ اللہ کرتے رہیں۔ اگر تم یہ مصائب برداشت کر سکتے ہو تو طالب بنو ورنہ خواہ مخواہ پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ تاریخ تصوف میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے فقیری کا مکمل سلیبس "طریقت توحیدیه" کے عنوان سے تحریر کر دیا۔ اور اس کتابچہ کے شروع میں ایک نوٹ تحریر فرمایا: "جو لوگ سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہونا چاہیں ان کو شامل ہونے سے پہلے

یہ کتاب پڑھنی چاہیے ۔اس کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ ان تمام باتوں پر عمل کر سکتے ہیں جو اس کتاب میں لکھی ہیں ،تو شامل ہو جائیں ورنہ نہیں"

اسی کتاب کے صفحہ 58 پر تحریر فرمایا کہ "ہر طالب کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ مرید ہونے کے بعد تمہاری دنیوی مشکلات دور ہو جائیں گی تو سلسلہ میں ہرگز شامل نہ ہوں ۔ہاں اگر خلوص کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی تلاش میں ہو تو بے شک طالب بن جاؤ"۔

اسی کتاب کے صفحہ 26 پر تحریر فرمایا۔ "خوب یاد رکھو کہ فقیری بچوں کا کھیل نہیں بلکہ دنیا کی سب سے مشکل اور کٹھن چیز ہے اور بڑی محنت و مشقت اور جان جوکھوں سے ہاتھ آتی ہے یہ منہ کا تر نوالہ نہیں کہ آج اللہ اللہ شروع کی اور ماہ دو ماہ بعد لگے شکایت کرنے کہ ابھی تک ہم کو اللہ تعالیٰ کے حسن لازوال کی جھلک بھی نظر نہیں آئی "۔بانی سلسلہؒ نے تصوف یعنی سلوک و معرفت کی افادیت کے متعلق اپنے خیال کا اظہار یوں فرمایا:

"اس میں شک نہیں کہ حکمت اشرف اور افضل ترین علم ہے۔اس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہو جاتی ہے۔بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں ۔عقل سلیم اور فراست کا ملہ پیدا ہوتی ہے، روحیں نظر آنے لگتی ہیں ۔رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیائے عظام کی زیارت میسر آتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف دین و دنیا میں امت محمدیہ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کیلئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لئے بیکار ہے۔ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویذ گنڈوں اور دم درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب

ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے اولاد پیدا ہو جائے۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا مسلمان اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و تجربہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں۔ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی سچی محبت کا جنون ان کے لئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کیلئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے اپنا منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیں"۔ **(تعمیر ملت صفحہ 141)**

برادران سلسلہ! میں نے بانی سلسلہؒ کے فرمودات کے ذریعے ہی ان کی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی ساری تصانیف میں یہی رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ ان واضح ہدایات کے باوجود ہمارے کئی ایک بھائی روایتی تعویذ گنڈوں والی فقیری، جنات کی تسخیر اور کیمیا گری کے جنون میں مبتلا اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ان سے اور آپ سب سے التماس ہے کہ زندگی کی مہلت اور سلسلہ کی تعلیم کی قدر کریں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی جو راہ اپنائی ہے اس پر مردانہ وار عمل کریں طریقت توحیدیہ اور تعمیر ملت میں دی گئی ہدایات کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو سکیں۔ آیئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ یا اللہ! ہم سب کو صراط مستقیم پر چلا۔ اپنا قرب اور دیدار عطا فرما۔ اسلام کے مطابق زندگی اور ایمان پر موت نصیب فرما۔ پاکستان کو عالم اسلام کی قیادت کا اہل بنا دے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم﴾